ماہِ رمضان

تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کا مہینہ

تالیف

مجلسِ مصنّفین

ترجمہ و تدوین

سیّد سعید حیدر زیدی

یکے از مطبوعاتِ

دار الثقلین

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳ - کراچی ۷۴۶۰۰ - پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب: ماہِ رمضان، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کا مہینہ

تالیف: مجلسِ مصنفین

ترجمہ وتدوین: سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دارالثقلین

طبع اوّل: رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ، نومبر ۲۰۰۳

طبع دوّم: رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ، اکتوبر ۲۰۰۵ء

طبع سوم: رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ، اگست ۲۰۱۰ء

قیمت: ۴۰ روپے

فہرست

عرضِ ناشر

ماہِ رمضان ''شہر اللہ'' یعنی اللہ کا مہینہ ہے' اس مہینے میں خدا کی طرف سے برکتوں' رحمتوں اور بخششوں کا نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے بندوں کو معنوی نعمات سے فیضیاب ہونے اور ان سے استفادے کی کھلی دعوت دی جاتی ہے۔

خدا کی جانب توجہ' اعمالِ صالحہ کی جانب رجحان اور روزے کی فرضیت کی بنا پر یہ مہینہ تزکیہ و تہذیبِ نفس اور گناہوں سے چھٹکارے اور نجات کا مہینہ ہے۔

احادیث و روایات میں اس مہینے کو قرآن کی بہار قرار دیا گیا ہے۔ لوگ اس مہینے میں قرآن کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ سال کے دوسرے دنوں کے مقابلے میں ماہِ رمضان کے ایام میں قرائتِ قرآن کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔

پھر اس مہینے میں روزے فرض کر کے' اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو مزید امتیاز دیا ہے اور دوسرے اسباب کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس' روحانی بالیدگی اور معنوی پاکیزگی کیلئے روزے کی صورت میں ایک اور جامع دستورِ عمل فراہم کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب' ماہِ رمضان کی فضیلت و اہمیت' اس مہینے میں قرآنِ کریم سے اُنس و

رغبت، دعا و مناجات اور روزے کی حکمت کے بارے میں مختصر اور جامع مضامین پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں حجت الاسلام محمد محمدی اشتہاردی اور حجت الاسلام حسین سوری لکی کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے۔

امید ہے نوجوان طلبا و طالبات ان مضامین سے مستفید ہوں گے۔

ہمیں اپنی کارکردگی جانچنے اور اس میں بہتری کیلئے اپنے قارئین کی طرف سے بے لاگ تبصروں کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔

ماہِ رمضان کی فضیلت واہمیت

زیرِ نظر مضمون میں ہم دوسرے مہینوں پر ماہِ رمضان کی فضیلت وبرتری کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس مہینے کی معرفت اوراس کی بصیرت کے ساتھ اس کا استقبال کریں اوراس سے مستفید ہوں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک دعا میں اللہ رب العزت سے درخواست کی ہے کہ وہ انہیں ماہِ رمضان کی فضیلتوں سے آگاہ فرمائے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَلْهِمْنا مَعْرِفَةَ فَضْلِهِ وَاِجْلالَ حُرْمَتِهِ وَ التَّحَفُّظَ مِمّا حَظَرْتَ فیهِ۔''

''بارِالٰہا! محمد اور آلِ محمد پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اس مہینے کی فضیلت و برتری جاننے، اس کی عزت وحرمت کو ملحوظ رکھنے اور جن چیزوں سے اس مہینے میں تونے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کی ہدایت فرما۔''

(صحیفۂ سجادیہ۔ دعا نمبر ۴۴)

ا۔ لفظ رمضان کے معنی

عربی لغت کے ماہرین کی تشریحات کے مطابق ''رمضان'' لفظ ''رمض'' سے لیا گیا ہے اور انہوں نے ''رمض'' کے معنی بیان کرتے ہوئے دو مفاہیم کا تذکرہ کیا ہے۔

ا۔ ''العین'' نامی عربی لغت کے مؤلف خلیل بن احمد کے بقول: ''رمض'' کے معنی موسمِ خزاں میں ہونے والی بارش ہے، جو سطح زمین سے گرد وغبار اور گندگی کو دھوڈالتی ہے۔

اس بنیاد پر، اس مہینے کو رمضان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کی روح کو اور اس کے نفس کو آلودگیوں اور نجاستوں سے صاف اور پاک کر دیتا ہے۔

۲۔ طریحی نے ''مجمع البحرین'' میں اور احمد بن محمد نے ''مصباح المنیر'' میں لفظ رمضان کو ''رمض'' اور ''رمضا'' سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ جس کے معنی وہ گرم اور سلگتی ہوئی ریت اور پتھر ہیں جو سورج کی براہِ راست تپش سے جھلسنے لگتے ہیں۔

طریحی نے ''مجمع البحرین'' میں کہا ہے کہ: رَمَضَتْ قَدَمُهُ بِالْحَرِّ، اُحْتِرُقَتْ (رَمَضَتْ قَدَمُهُ یعنی اس کے پاؤں جل گئے)

لہٰذا اس ماہِ مبارک کو رمضان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے گناہ اور گمراہیوں کے اسباب ختم کر کے، انسان کے راستے سے کمال کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتا ہے، اور اس کے اخلاق کی اصلاح اور پاکیزگی کیلئے مواقع فراہم کرتا ہے۔

''زمخشری'' کہتے ہیں کہ: اس ماہ کو رمضان اس لئے کہا گیا ہے کہ اس مہینے میں گناہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر کشاف سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۸ کی تفسیر میں)

جبکہ کچھ احادیث کے مطابق ''رمضان'' خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ سعد بن طریف کہتے ہیں: ہم سترہ افراد، امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے۔ اس محفل

میں رمضان کا ذکر چھڑ گیا' امامؑ نے فرمایا:

''لا تَقُولُو هٰذا رَمَضانٌ' وَلا ذَهَبَ رَمَضانٌ' وَلا جاءَ رَمَضانُ' فَاِنَّ رَمَضانَ اِسْمٌ مِنْ أَسْماءِ اللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ لا يَجيىءُ وَلا يَذْهَبُ''۔

''یہ نہ کہا کرو کہ یہ رمضان ہے اور رمضان گیا' رمضان آیا' کیونکہ رمضان اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کا آنے اور جانے (اور تغیر و تبدل) سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر فرمایا۔ کہا کرو کہ: ماہِ رمضان۔''

(فروع کافی۔ ج ۴۔ ص ۶۹ اور ۷۰)

دوسری متعدد احادیث میں بھی ماہِ رمضان کو ''شهر الله'' کہا گیا ہے۔

اس طرح یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے مہینوں پر اس مہینے کی خاص ظاہری اور باطنی فضیلت کی وجہ سے اسے ''رمضان'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ مہینہ گناہ کے اسباب وعوامل کے خاتمے اور ان سے چھٹکارے کا مہینہ ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ ''شهر الله'' (اللہ کا مہینہ) ہے۔ وہ مہینہ جسے خداوندِ عالم نے اپنے آپ سے نسبت دی ہے اور اسے اپنا نام دیا ہے۔

۲۔ اسلام سے پہلے ماہِ رمضان کا مقام

اس مہینے کو صرف اسلام میں اور بعثت نبویؐ کے بعد ہی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ اسلام سے پہلے بھی یہ اسی حیثیت کا حامل تھا۔ زمانی لحاظ سے اس مہینے کی ایک فضیلت یہ ہے کہ تمام آسمانی کتب اسی مہینے میں انبیا پر نازل ہوئیں۔ اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''نَزَلَتِ التَّوْراةُفی سِتٍّ مَضَيْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضانَ' وَ نَزَلَ الإنجيلُ فی اِثْنَتَیْ عَشَرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضانَ' وَ نَزَلَ الزَّبُورُ فی ثَمانِیَ

عَشرَ مَضتْ مِنْ شَهرِ رَمَضانَ، وَ نَزَلَ الفُرقانُ فی لَیلَةِ القَدرِ۔"

"توراۃ ماہِ رمضان کی چھے تاریخ کو نازل ہوئی، انجیل ماہِ رمضان کی بارہ تاریخ کو نازل ہوئی، زبور ماہِ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو نازل ہوئی اور قرآن مجید شبِ قدر میں نازل ہوا۔" (بحارالانوار۔ج ١٢۔ص ٧٥)

اسی طرح پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ہے کہ: صحفِ ابراہیم (علیہ السلام) ماہِ رمضان کی پہلی رات کو نازل ہوا تھا۔ (وسائل الشیعہ۔ج ٧۔ص ٢٢٥)

اسلام سے پیشتر بھی، ماہِ رمضان کی فضیلت و بزرگی کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول کریمؐ اپنی بعثت سے قبل بھی ماہِ رمضان کا خاص احترام کیا کرتے تھے، اس کے خاص تقدس کے قائل تھے۔ آپؐ ہر سال ماہِ مبارک رمضان میں کوہِ حرا کی چوٹی پر تشریف لے جاتے، وہاں غارِ حرا میں معتکف ہو کر عبادتِ الٰہی انجام دیتے، اس مہینے کے اختتام پر کوہِ حرا سے اتر کر سب سے پہلے "بیت اللہ" جاتے، سات مرتبہ اس کے گرد چکر لگاتے، اور اس کے بعد اپنے درِ دولت واپس تشریف لاتے۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ج ١۔ص ٢٥١، ٢٥٢)

رسولِ کریمؐ ماہِ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں بھی عبادت کیلئے کوہِ حرا پر تشریف لے جاسکتے تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ آپؐ نے اس مقصد کے لئے ماہِ رمضان ہی کا انتخاب کیا؟ آنحضرتؐ کا ماہِ رمضان کو منتخب کرنا، یقیناً دوسرے مہینوں پر اس ماہ کے خصوصی امتیاز کا اظہار ہے۔

٣۔ رمضان، ماہِ نزولِ قرآن

ماہِ رمضان کے سوا سال کے کسی اور مہینے کا نام قرآنِ مجید میں نہیں آیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس مہینے کا "نزولِ قرآن" کے مہینے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ١٨٥ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

''شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡٓ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ، فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ.''

''ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے' جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس مہینے کو پائے' اس کا فرض ہے کہ روزہ رکھے''۔

مذکورہ بالا آیت کے علاوہ بھی قرآنِ مجید میں اور متعدد آیات موجود ہیں' جو ماہِ رمضان اور شبِ قدر میں نزولِ قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے سورۂ قدر کی پہلی آیت اور سورۂ دخان کی تیسری آیت۔

''اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ.''

''بے شک ہم نے اسے (یعنی قرآن مجید کو) شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔''

(سورۂ قدر ۹۷۔ آیت ۱)

''اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ.''

''ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے' ہم بے شک عذاب سے ڈرانے والے تھے''۔ (سورۂ دخان ۴۴۔ آیت ۳)

ان آیاتِ قرآنی سے بخوبی یہ بات روشن ہے کہ قرآنِ مجید' پیغمبر اسلامؐ پر ماہِ مبارک رمضان میں نازل ہوا ہے۔ البتہ اس مہینے میں آنحضرتؐ پر نزولِ قرآن کی کیفیت کیا تھی؟ اس بارے میں ایک علیحدہ گفتگو کی ضرورت ہے' جس کا یہاں موقع نہیں۔

لہٰذا ماہِ رمضان میں قرآنِ مجید کا نازل ہونا' اس مہینے کی فضیلت اور بزرگی پر ایک اور دلیل ہے۔ قرآنِ مجید جو حق اور باطل کو واضح کرتا ہے' جو تزکیہ و تعلیم کا ذریعہ اور انسان کے رشد و کمال کا موجب ہے۔

۴۔ ماہِ رمضان میں شبِ قدر کا وجود

دوسرے تمام مہینوں پر ماہِ رمضان کی فضیلت اور بزرگی کی ایک علامت یہ ہے کہ شبِ قدر اسی مہینے میں ہے' وہ رات جس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

''لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ.''

''شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' (سورۂ قدر ۹۷۔ آیت ۳)

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا: اس سے کیا مراد ہے کہ: شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے؟ امامؑ نے جواب دیا: اس سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں انجام دیا جانے والا نیک عمل' ایسے ہزار مہینوں میں انجام دیئے جانے والے نیک عمل سے بہتر ہے' جن میں شبِ قدر نہیں ہوتی۔'' (فروع کافی۔ ج ۴۔ ص ۱۵۸)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ شبِ قدر' اسلام کے بعد کی تاریخ سے مخصوص نہیں ہے' بلکہ یہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھی۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''کتابِ خدا میں' خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت کے آغاز سے اب تک اور جب مہینوں کا آغاز ہوا اس وقت سے ماہِ رمضان موجود رہا ہے اور قلبِ ماہِ رمضان شبِ قدر ہے''۔

(وسائل الشیعہ۔ ج ۷۔ ص ۲۵۸)

۵۔ خدا کا مہینہ اور شفاعت کرنے والا مہینہ

احادیث میں پیغمبر اسلامؐ اور ائمۂ معصومینؑ کی زبانی' ماہِ رمضان کے لئے متعدد نام ذکر ہوئے ہیں۔ مثلاً ماہِ توبہ' ماہِ مواسات' ماہِ انابہ' ماہِ محوِ سیئات' ماہِ صبر' ماہِ مغفرت' ماہِ ضیافۃ اللہ' ماہِ قیام' ماہِ اسلام' ماہِ طہور' ماہِ تمحیص (ماہِ تصفیہ) (۱) وغیرہ۔۔۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ

۱۔ ان ناموں میں سے بعض کا ذکر صحیفۂ سجادیہ کی دعا نمبر ۴۴ میں آیا ہے۔

یہ مہینہ ''شھر اللّٰہ'' (اللہ کا مہینہ) ہے۔ جیسے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خطبۂ شعبانیہ کے آغاز میں فرمایا ہے کہ:

''اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّہُ قَدْ اَقْبَلَ اِلَیْکُمْ شَھْرُ اللّٰہِ.''

''اے لوگو! بے شک اللہ کا مہینہ تمہاری طرف آرہا ہے۔''

(عیون اخبار الرضا۔ ج۱۔ ص۲۹۵)

یعنی خداوندِ عالم نے زمانے کے اس حصے کو اپنے آپ سے نسبت دی ہے۔ اور یہی نسبت جسے ''اضافۂ تشریفیہ'' کہتے ہیں، ماہِ رمضان کے غیر معمولی شرف اور اسکی منزلت کو نمایاں کرتی ہے۔

ایک اور موضوع قیامت میں ماہِ رمضان کے درخشاں چہرے کے ساتھ ظاہر ہونے کا موضوع ہے۔ ماہِ رمضان، میدانِ حشر میں بہترین اور خوشنما ترین صورت میں سامنے آئے گا اور جن لوگوں نے اس کا احترام کیا ہوگا ان کی شفاعت کرے گا۔ خداوندِ عالم اس درخشاں چہرے کو جنتی لباس دے گا، سچے مومن اس کے نزدیک آئیں گے اور دنیا میں جس قدر انہوں نے اس کی اطاعت کی ہوگی ان لباسوں میں سے اسی قدر لباس حاصل کریں گے۔ اور روایات کے الفاظ میں: فَیُشَرِّفُھُمُ اللّٰہُ بِکَرامَاتِہِ (اس طرح خداوندِ عالم اپنی کرامات کے ذریعے انہیں افتخار اور منزلت بخشتا ہے۔ بحار انوار۔ ج۷۔ ص۵۳)

۶۔ ماہِ رمضان کا مخصوص تقدس

دوسرے مہینوں پر ماہِ رمضان کو حاصل مخصوص تقدس کو جو امور واضح کرتے ہیں، ان میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس مہینے میں کئے گئے گناہوں کی سزا، دوسرے مہینوں میں کئے گئے گناہوں کی سزا سے کہیں زیادہ شدید ہوگی۔ لہٰذا روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت علیؑ کے شیعوں میں سے ''نجاشی'' نام کے ایک شاعر نے ماہِ رمضان میں شراب پی، تو حضرت علیؑ نے

شراب نوشی کی حد کے طور پر اسے اسی کوڑے لگائے۔ اسکے بعد اسے ایک رات کے لئے قید خانے میں ڈالوایا' اور اگلے دن مزید بیس کوڑے اسے لگائے۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنینؑ! آپ نے شراب نوشی کی حد کے طور پر مجھے اسّی کوڑے مارے' پس اب یہ بیس کوڑے مجھے کیوں مارے گئے ہیں؟

حضرتؑ نے جواب دیا:

''هٰذَا لِتَجَرِّيکَ عَلٰی شُرْبِ الْخَمْرِ فِی شَهْرِ رَمَضَانَ.''

''یہ بیس کوڑے' ماہِ رمضان میں شراب نوشی کی جسارت کی وجہ سے تمہیں مارے گئے ہیں۔'' (فروع کافی۔ج ۷۔ص ۲۱۶)

۷۔ احادیث کی رو سے ماہِ رمضان کی فضیلت

پیغمبر اسلامؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے کلام میں' مختلف تعبیروں کے ذریعے ماہِ رمضان کی بزرگی اور فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان تعبیروں میں سے ہر تعبیر دوسرے مہینوں پر اس مہینے کی عظمت کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہاں آپ کی خدمت میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ نے ماہِ شعبان کے آخری جمعے کو' جبکہ ماہِ رمضان کی آمد آمد تھی' مسجد نبوی میں اس مہینے کی فضیلت اور شان میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کے ہر حصے میں ماہِ رمضان کی کسی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کافی طویل خطبہ ہے' اس لئے ہم اس کا صرف ابتدائی حصہ یہاں نقل کر رہے ہیں۔

''اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ قَدْ اَقْبَلَ اِلَيْكُمْ شَهْرُ اللّٰهِ بِالْبَرَكَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ، شَهْرٌ هُوَ عِنْدَاللّٰهِ اَفْضَلُ الشُّهُورِ' اَيَّامُهُ اَفْضَلُ الْاَيَّامِ' وَلَيَالِيهِ اَفْضَلُ اللَّيَالِي' وَ سَاعَاتُهُ اَفْضَلُ السَّاعَاتِ' هُوَ شَهْرٌ دُعِيتُمْ فِيهِ اِلٰى ضِيَافَةِ اللّٰهِ' وَ جُعِلْتُمْ فِيهِ مِنْ اَهْلِ كَرَامَةِ

اللّٰهِ، اَنْفَاسُکُمْ فِیهِ تَسْبِیحٌ، وَنَوْمُکُمْ فِیهِ عِبَادَةٌ وَ عَمَلُکُمْ فِیهِ مَقْبُولٌ، وَ دُعَاؤُکُمْ فِیهِ مُسْتَجَابٌ."

"اے لوگو! بے شک خدا کا مہینہ (ماہِ رمضان) اپنی برکت، رحمت اور مغفرت لئے، تمہاری طرف رواں دواں ہے۔ یہ مہینہ خدا کے نزدیک بہترین مہینہ ہے، اس کے دن بہترین دن ہیں، اس کی راتیں بہترین راتیں ہیں، اس کی ساعتیں بہترین ساعتیں ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں تمہیں خدا کے یہاں ضیافت پر مدعو کیا گیا ہے اور تم اس مہینے میں خدا کی کرامت کے اہل ہوئے ہو۔

اس مہینے میں تمہاری سانسیں تسبیح کا ثواب رکھتی ہیں اور تمہارا سونا عبادت کا اجر رکھتا ہے، اس مہینے میں تمہارے اعمال درگاہِ الٰہی میں مقبول اور تمہاری دعائیں قبول ہیں۔" (عیون اخبار الرضا۔ ج۱۔ ص۲۹۵)

خطبے کے اس حصے میں پایا جانے والا قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ ماہِ رمضان میں مومن انسان کا سانس لینا بھی خدا کی تسبیح کا ثواب رکھتا ہے۔ حالانکہ سانس کے ذریعے انسانی بدن کے اندر کی آلودہ ہوا خارج ہوتی ہے۔ اگر یہ ہوا خارج نہ ہو تو انسان کا دم گھٹ جائے اور اسکی موت واقع ہو جائے۔ اس کے باوجود یہی سانس ماہِ رمضان میں خدا کی تسبیح کا ثواب رکھتی ہے۔ اسی طرح یہاں اس مہینے میں انسان کا سونا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ عبادت کے لئے نیت اور ہوش و حواس کا ہونا ضروری ہے، نیز اسے اختیار کے ساتھ انجام دیا جانا چاہئے۔ جبکہ نیند کے عالم میں نیت، ہوش اور اختیار و ارادے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر بھی ماہِ رمضان میں یہی نیند درگاہِ الٰہی میں عبادت تسلیم کی جاتی ہے۔

۲۔ صحیفہ سجادیہ میں امام زین العابدین علیہ السلام ایک دعا کے ایک حصے میں اس بات کا شکر ادا کرنے کے بعد کہ خداوندِ عالم نے ماہِ رمضان کو حق تک پہنچنے کا ایک راستہ قرار دیا ہے، فرماتے

ہیں:

''فَاَبانَ فَضِیلَتَهُ عَلیٰ سائِرِ الشُّهُورِ بِما جَعَلَ لَهُ مِنَ الْحُرُماتِ الْمَوْفُورَةِ، وَالْفَضائِلِ الْمَشْهُورَةِ.''

''چنانچہ (اللہ نے) دوسرے مہینوں پر اس ماہ کی فضیلت اور برتری کو اس کے انتہائی تقدس اور اس کی آشکار افضیلتوں کی وجہ سے واضح فرمایا۔''

(صحیفۂ سجادیہ۔ دعا۴۴)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک کلام میں فرمایا ہے:

''مُحَمَّدٌ فی عِبادِ اللّٰهِ کَشَهْرِ رَمَضانَ فِی الشُّهُورِ.''

''بندگانِ خدا کے درمیان محمد کی حیثیت ایسی ہی ہے، جیسی مہینوں کے درمیان ماہِ رمضان کی حیثیت۔'' (بحارالانوار۔ ج ۳۷۔ ص ۵۳)

۴۔ نیز آنحضرتؐ ہی کا ارشاد ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ اِخْتارَ مِنَ الأَیّامِ الْجُمُعَةَ، وَ مِنَ الشُّهُورِ شَهْرَ رَمَضانَ، وَ مِنَ اللَّیالِی لَیْلَةَ الْقَدْرِ.''

''بے شک خدا نے دنوں میں سے جمعے کے دن کو منتخب کیا ہے، مہینوں میں سے ماہِ رمضان کو چنا ہے اور شبوں میں سے شبِ قدر کا انتخاب کیا ہے۔''

(بحارالانوار۔ ج ۳۶۔ ص ۲۷۲ اور ۲۹۶)

۵۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ: پیغمبر اسلامؐ نے اپنی ایک گفتگو کے دوران فرمایا: جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے، اور کہا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''شَهْرُ رَمَضانَ سَیِّدُ الشُّهُورِ، وَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ سَیِّدَةُ اللَّیالی،

وَالْفِرْدَوْسُ سَيِّدُ الْجِنَانِ......"

"ماہِ رمضان مہینوں کا سردار، شبِ قدر شبوں کی سردار ہے اور فردوس جنت کے باغات کی سردار ہے۔" (بحارالانوار۔ج ۴۰۔ص ۵۴)

ایک دوسری گفتگو میں آپؑ نے فرمایا:

"جمعہ دنوں کا سردار، رمضان مہینوں کا سردار، اسرافیل فرشتوں کا سردار، آدم انسانوں کے سردار، میں پیغمبروں کا سردار اور علی اوصیاء کے سردار ہیں"۔

(بحارالانوار۔ج ۴۰۔ص ۴۷)

۶: امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی ایک گفتگو کے دوران فرمایا:

"عِزُّ الشُّهُورِ شَهْرُ اللّٰهِ شَهْرُ رَمَضَانَ، وَقَلْبُ شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ."

مہینوں کی عزت، خدا کا مہینہ رمضان ہے اور ماہِ رمضان کا دل شبِ قدر ہے۔" (تہذیب الاحکام۔ج ۱۔ص ۴۰۶)

۷۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ شعبانیہ کے ایک حصے میں ماہِ مبارک رمضان کی شان میں فرمایا:

"اَنَّ أَبْوَابَ الْجِنَانِ فِى هٰذَا الشَّهْرِ مُفَتَّحَةٌ فَاسْئَلُوا رَبَّكُمْ اَنْ لَا يُغْلِقَهَا عَلَيْكُمْ، وَ اَبْوَابَ النِّيرَانِ مُغَلَّقَةٌ فَاسْئَلُوا رَبَّكُمْ أَنْ لَا يَفْتَحَهَا عَلَيْكُمْ، وَ الشَّيَاطِينَ مَغْلُولَةٌ فَاسْئَلُوا رَبَّكُمْ اَنْ لَا يُسَلِّطَهَا عَلَيْكُمْ."

"بے شک اس مہینے میں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، خدا سے دعا کرو کہ ان دروازوں کو تمہارے اوپر بند نہ کرے۔ اور اس مہینے میں جہنم کے

دروازے بند ہیں، خدا سے دعا کرو کہ ان دروازوں کو تمہارے لئے نہ کھولے۔
اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، پروردگار سے دعا کرو کہ انہیں تم پر
مسلط نہ کرے۔" (عیون اخبار الرضا۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵)

ماہِ رمضان سے استفادہ

آخر میں پہلے تو خود اپنے آپ سے اور پھر محترم قارئین سے وعظ و نصیحت کے عنوان سے انتہائی خلوص کے ساتھ عرض ہے کہ:

ماہِ رمضان اس قدر فضیلت، برکت اور رحمت کی وجہ سے کیا واقعی ہماری گہری فکری اور عملی توجہ کا مستحق نہیں؟

خداوندِ عالم نے اس قدر برکت، لطف اور رحمت کا مہینہ ہمیں نصیب کیا ہے۔ اس سے لا تعلقی یا اس پر شعوری اور سنجیدہ توجہ نہ دینا، کیا ایک اہم موقع ضائع کر دینے کے مترادف نہیں ہے؟

وہ مہینہ جس میں خدا نے ہمیں اپنی رحمت کے دسترخوان پر مدعو کیا ہے، اور ہمیں اپنے خوانِ نعمت کا مہمان بنایا ہے، کیا مناسب نہیں کہ ہم اس دعوت کو قبول کریں اور اس دسترخوان کی معنوی برکات سے استفادہ کریں؟

کیا ہمیں پیغمبر اسلام ؐ کا یہ فرمان یاد نہیں ہے کہ: اِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فی هٰذا الشَّهْرِ الْعَظِیْمِ. (بے شک وہ شخص بدقسمت ہے جو اس عظیم مہینے کی برکات سے محروم رہے۔ عیون اخبار الرضا۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵)

اس مہینے کی معنوی برکتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ بقول رسولِ کریم ؐ:

"جو کوئی اس مہینے میں ایک مومن کی دعوتِ افطار کرے، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک غلام کو آزاد کیا ہو۔ اور ایسے شخص کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے

جائیں گے۔"

اس موقع پر ایک شخص نے سوال کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم سب لوگ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے کہ کسی کو افطار کرائیں۔ پیغمبرؐ نے اسے جواب دیا:

"اِتَّقُوا النّٰارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ اِتَّقُوا النّٰارَ وَلَوْ بِشَرْبَةِ ماءٍ۔"
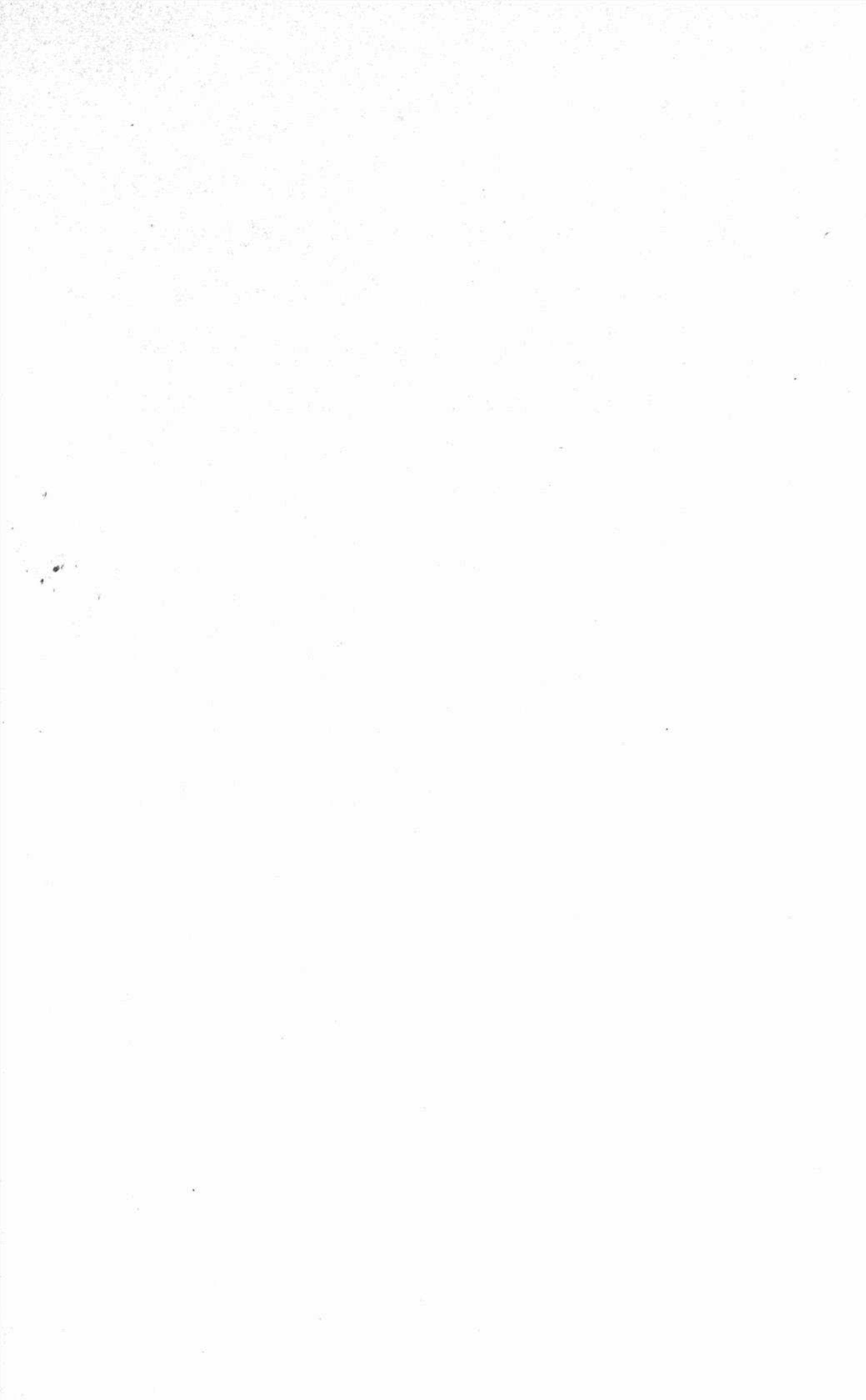
"آتش دوزخ سے بچو چاہے پیاسے کو تھوڑے سے پانی کے ذریعے سیراب کر کے۔" (عیون اخبار الرضا۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵)

یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس مہینے میں، اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان گناہوں سے پرہیز کرے۔ لہٰذا جب حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مہینے کے سب سے افضل عمل کے بارے میں سوال کیا، تو آنحضرتؐ نے جواب دیا:

"اَفْضَلُ الْاَعْمالِ فی هٰذَا الشَّهْرِ اَلْوَرَعُ عَنْ مَحارِمِ اللّٰهِ۔"

"اس مہینے میں بہترین عمل، ان کاموں سے پرہیز کرنا ہے جنہیں خداوندِ عالم نے حرام قرار دیا ہے۔" (عیون اخبار الرضا۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵)

❁❁❁

ماہِ رمضان

قرآن سے اُنس ورغبت اوراس سے استفادے کی بہار

ماہِ رمبارکِ رمضان' قرآنِ مجید کی ولادت' اُس سے اُنس' اُس کی بہار' اُس کی معرفت اور اُس سے فکری اور عملی استفادے کا مہینہ ہے۔

وہ مہینہ جس کی شبِ قدر میں قلبِ پیغمبرؐ نے امینِ وحی سے پورا کا پورا قرآن اخذ کیا اور قرآنِ مجید لوحِ محفوظ سے رسولِ مقبولؐ کے وسیع اور نورانی قلب پر منعکس ہوا۔

وہ مہینہ جس میں ہم سب روزے' عبادت و پرستش اور دعا و مناجات کے ذریعے معنوی تیاری و آمادگی کے ساتھ قرآنِ کریم کا استقبال کرتے ہیں' اور چاہتے ہیں کہ خالص اللہ کے لئے روزے کے پُر برکت آثار کے سائے میں اور عبادتوں اور دعاؤں کے ہمراہ قرآنِ کریم سے اپنے ربط و تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

قرآن' ماہِ رمضان کے پیکر میں ڈالی جانے والی روح ہے' جس نے اس مہینے کی عظمت اور اہمیت کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔

قرآن ماہِ رمضان کا قلب ہے' اور اس قلب اور اس کی دھڑکنوں کے بغیر روزہ داروں

کی معنوی حیات کی رگوں میں حقیقت کا جوہر رواں دواں نہیں ہوسکتا۔

قرآن، دلوں کی بہار اور ماہِ رمضان، قرآن کی بہار ہے۔لہٰذا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''لِكُلِّ شَيْءٍ رَبِيعٌ، وَ رِبِيعُ القُرآنِ شَهرُ رَمَضان.''

''ہر چیز کی بہار ہے اور قرآن کی بہار ماہِ رمضان ہے۔''

(بحارالانوار۔ج۹۶۔ص۳۸۶)

قرآنِ مجید کی شان اور عظمت کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''وَ تَفَقَّهُوا فِيهِ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلوبِ.''

''اور اس (قرآن) میں غور وفکر کرو، کہ (یہ) دلوں کی بہار ہے''۔

(نہج البلاغہ۔خطبہ۱۱۰)

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق:

'' قَلْبُ شَهْرِ رَمَضان لَيْلَةُ الْقَدْرِ.''

''ماہِ رمضان کا دل، شبِ قدر ہے۔'' (بحارالانوار۔ج۹۶۔ص۳۸۶)

لہٰذا یہ بات کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ماہِ رمضان کی برکتوں کا بڑا حصہ قرآنِ کریم سے وابستہ ہے۔اس مہینے میں ہمیں اپنے دلوں کی کھیتی میں قرآن کے نورانی احکامات کا بیج بونا چاہئے تاکہ وہ ٹھیک ٹھیک نشو ونما پائے۔ہمیں اپنی روح کی غذا کے لئے اس ماہ میں قرآنی پھلوں سے استفادہ کرنا چاہئے اور اس مہینے میں قرآنی برکات کے زیرِ سایہ اپنے قلب کی قوت کو بڑھانا چاہئے۔

قرانِ کریم سے اس قسم کا استفادہ، اس سے حقیقی اُنس و رغبت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

قرآنِ مجید سے اُنس ورغبت

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''مَنْ اَنَسَ بِتَلاوَةِ الْقُرآنِ، لَمْ تُوحِشْهُ مُفارَقَةُ الاِخْوانِ.''

''جو شخص قرآن کی تلاوت سے اُنس ورغبت رکھتا ہے، وہ اپنے بھائیوں کی جدائی سے وحشت زدہ نہیں ہوتا۔'' (غررالحکم)

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''لَوْماتَ مِنْ بَیْنِ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغرِبِ لَما اسْتَوْحَشْتُ، بَعْدَ اَنْ یَکُونَ الْقُرْآنُ مَعِی.''

''اگر مشرق و مغرب کے درمیان پائی جانے والی تمام موجودات نابود ہوجائیں اور میں تنہا رہ جاؤں لیکن اس موقع پر قرآن میرے ہمراہ ہو، تو مجھے ذرّہ برابر وحشت محسوس نہ ہوگی۔'' (اصول کافی۔ج۲۔ص۶۱۰)

اس مقام پر یہ سوال ضرور سامنے آتا ہے کہ قرآنِ کریم سے اُنس ولگاؤ آخر ہے کیا چیز، جو انسان کو اس قدر مضبوط اور پختہ کرتا ہے اور اس سے ہر قسم کے اضطراب اور تناؤ کو دور کر دیتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: اُنس کے معنی دراصل کسی چیز سے رغبت، پیار اور اس کا ہمدم و ہمنشین ہوجانا ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کا اپنی ماں کی آغوش سے اُنسیت رکھنا۔ کبھی کبھی کسی چیز سے اُنس اتنا شدید ہوجاتا ہے کہ وہ ماں کی آغوش سے بچے کے اُنس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے انہیں موت سے ڈرانے والے منافقین سے فرمایا تھا کہ:

''وَاللّٰهِ لَاَبْنُ اَبِی طالِبٍ اَنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهِ.''

''خدا کی قسم ابوطالب کے بیٹے (علیؑ) کو موت سے اس سے بھی زیادہ اُنسیت ہے، جتنی اُنسیت شیر خوار بچے کو اپنی ماں کی آغوش سے ہوتی ہے۔''

(نہج البلاغہ۔خطبہ۵)

سچا عارف وہ ہے، جو خدا اور اس کے کلام سے اُنس والفت رکھتا ہو۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام نے آیت قرآن: **یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ** (اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب سے دھوکے میں رکھا ہے۔سورۂ انفطار ۸۲۔آیت ۶) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: **وَکُنْ لِلّٰہِ مُطیعاً وَ بِذِکْرِہِ اَنِساً** (خداوندِ عالم کے مطیع وفرمانبردار بنو اور خدا کی یاد سے اُنس ورغبت پیدا کرو۔نہج البلاغہ۔خطبہ۲۲۳)

لہٰذا اُنس کا حقیقی اور واقعی مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے عشق میں مبتلا ہو جائے اور اس کے ساتھ شدید اور اٹوٹ تعلق کے ساتھ اُس کا ہمدم وہم جان ہو جائے۔ یہ جذبہ اُس چیز سے انسان کے تعلق اور بندھن کو محکم اور مضبوط کرتا ہے جس سے اسے اُنس ہوتا ہے۔

خدا اور کلامِ خدا سے ایسا ہی اُنس، اولیائے الٰہی اور ہر عارف اور سچے مومن کے اوصاف میں سے ہے۔ لہٰذا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام، بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَنَسُ الاَنِسِینَ لاَوْلِیائِکَ .. اِنْ اَوْحَشَتْھُمُ الْغُرْبَۃُ اَنَسَھُمْ ذِکْرُکَ.''

''بارِالٰہا! تو اپنے دوستوں کے ساتھ، تمام اُنس رکھنے والوں سے زیادہ مانوس ہے۔۔۔اگر تنہائی سے ان کا دل گھبراتا ہے تو تیرا ذکر ان کا مونس وہمدم ہوتا ہے''۔(نہج البلاغہ۔خطبہ۲۲۴)

ماہِ رمضان میں نورِ قرآن کی تابانی

کیونکہ ماہِ رمضان، ماہِ نزولِ قرآن، ماہِ خدا اور ماہِ تزکیہ وتہذیبِ نفس ہے اور قرآنِ مجید اسی مہینے میں واقع شبِ قدر میں قلبِ پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے۔ لہٰذا ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ماہِ رمضان، قرآنی نور کی تابانی اور قرآنِ کریم سے اُنس ورغبت کا مہینہ ہے۔

روزہ دار اس مہینے میں خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور قرآنِ کریم کے بابرکت دسترخوان کے گرد بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اس ماہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت سے خاص رغبت کا ثبوت دینا چاہئے اور آیاتِ قرآنی میں غور وفکر اور قرآنی مفاہیم سے فکری اور عملی استفادے کے ذریعے اپنے معنوی رشد وکمال میں اضافہ کرنا چاہئے۔

اسی بنیاد پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برس ماہِ شعبان کے آخری جمعے کو اپنے معروف خطبۂ شعبانیہ میں ارشاد فرمایا کہ:

''هُوَ شَهْرٌ دُعِيتُمْ فِيهِ اِلىٰ ضِيافَةِ اللّٰهِ ... وَ مَنْ تَلافِيهِ آيَةً مِنَ الْقُرآنِ كانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ خَتَمَ الْقُرآنَ فِي غَيْرِهِ مِنَ الشُّهُورِ.''

''ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں تمہیں خدا نے اپنا مہمان مدعو کیا ہے....

تم میں سے جو کوئی اس مہینے میں قرآن کی ایک آیت کی تلاوت کرے گا اس کا اجر دوسرے کسی مہینے میں پورے قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہے''۔

(عیون اخبار الرضا۔ ج ۲۔ ص ۲۹۵)

ماہِ رمضان کی دعاؤں میں، ہدایت ورہنمائی کی کتاب کے طور پر قرآن اور اس سے اُنس کا بکثرت تذکرہ آیا ہے۔ ماہِ رمضان کے ہر دن کی دعائیں، جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں، ان میں سے دوسرے دن کی دعا میں ہے کہ:

''اَللّٰهُمَّ وَ فِقْنى فِيهِ لِقَرائَةِ آياتِكَ.''

''بارِالٰہا! اس دن مجھے آیاتِ قرآن کی قرأت کی توفیق عطافرما۔''

جبکہ بیسویں دن کی دعا میں ہے کہ:

''اَللّٰھُمَّ وَ فِقْنی فِیہِ لِتِلاوَۃِ الْقُرآنِ.''

''بارِالٰہا! مجھے آج کے دن تلاوتِ قرآن کی توفیق عطافرما۔''

دعاؤں کی صورت میں ذکر ہونے والی ان دو عبارتوں میں قرآنِ کریم کی تلاوت' اور اسے کھول کر پڑھنے کی توفیق بھی طلب کی گئی ہے اور تدبر کے ساتھ اور عمل کے ہمراہ قرأت کی توفیق بھی چاہی گئی ہے۔ کیونکہ تلاوت کا لفظ دراصل ''تِلو و تالی'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں بغیر کسی فاصلے کے کسی کے پیچھے پیچھے چلنا' اس کی پیروی کرنا۔

واضح ہے کہ اس قسم کی توفیق قرآنِ مجید سے حقیقی اُنس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ کریم سے اُنس درحقیقت تین بنیادوں سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

۱۔ آیاتِ قرآن کو پڑھنا۔

۲۔ قرآن کی معرفت اور اس میں غور وفکر۔

۳۔ قرآنی احکام اور فرامین پر عمل۔

اسی بنیاد پر امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک مختصر تجزیہ وتحلیل کرتے ہوئے فرمایا ہے :

''قُرّاءُ الْقُرآنِ ثَلاثَۃٌ' رَجُلٌ قَرَءَ الْقُرآنَ فَاتَّخَذَہُ بِضاعَۃً' وَ اسْتَدَرَّبِہِ الْمُلوکَ' وَاسْتَطالَ بِہِ عَلَی النّاسِ. وَ رَجُلٌ قَرَءَ الْقُرْآنَ فَحَفِظَ حُرُوفَہُ وَضَیَّعَ حُدُودَہُ' وَ اَقامَہُ اِقامَۃَ الْقِدحِ' فَلا کَثَّرِ اللّٰہُ ھٰؤُلاءِ مِنْ حَمَلَۃِ الْقُرْآنِ. وَ رَجُلٌ قَرَءَ الْقُرآنَ' فَوَضَعَ دَواءَ الْقُرْآنِ عَلی داءِ قَلْبِہِ' فَاَسْھَرَ بِہِ لَیْلَۃُ' وَ اَظْمَأَ بِہِ نَھارَہُ' وَ قامَ بِہِ فی مَساجِدِہِ' وَ تَجافیٰ بِہِ عَنْ فِراشِہِ' فَباُولٰئکَ یَدْفَعُ اللّٰہُ الْعَزِیزُ الْجَبّارُ الْبَلاءَ.....''

''قرآن پڑھنے والے لوگ تین قسم کے ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو قرائتِ قرآن کو اپنے لئے مال و دولت کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ قرائت قرآن کے ذریعے بادشاہوں سے فائدے اٹھاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی جتاتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں اور اس کے حروف (اور اس کی تجوید) کا خیال رکھتے ہیں لیکن قرآن میں بیان شدہ حدود و احکام کو ضائع کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔
(ایسے حاملانِ قرآن کسی صورت قرآن سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور اس کے ذریعے نجات حاصل نہ کر سکیں گے)
تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور اس سے اپنے قلب کے امراض کا علاج کرتے ہیں اور اس کی تلاوت (یعنی اسے پڑھنے اور اس پر غور و فکر) کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں، اور دن کو بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ اس کے ذریعے مساجد میں کھڑے رہتے ہیں، اور ذکرِ الٰہی کے لئے اپنے بستر سے دور رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے وجود کی برکت سے اللہ رب العزت مصیبتیں ٹال دیتا ہے، بلاؤں کو دور کرتا ہے، دشمن کی شرانگیزیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے۔''
آخر میں امامؑ فرماتے ہیں:
''فَوَ اللّٰهِ لَهٰؤُلاءِ فِی قُرّاءِ الْقُرآنِ اَعَزُّ مِنَ الْكِبْرِيتِ الاَحْمَرِ.''
''خدا کی قسم، قرآن پڑھنے والوں میں، اس قسم کے لوگ سرخ گندھک سے بھی زیادہ کمیاب ہے''۔ (اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ۶۲۷)

امام زین العابدین علیہ السلام ختمِ قرآن کے موقع پر ایک دعا کی تلاوت فرماتے تھے، اس دعا کے ایک حصے میں ہے کہ:

''اَللّٰھُمَّ فَاِذا اَفَدْتَنا الْمَعُونَۃَعَلیٰ تِلاوَتِہٖ وَ سَھَّلْتَ جَو اسِیَ اَلْسِنَتِنا بِحُسْنِ عِبارَتِہٖ' فَاجْعَلْنا مِمَّنْ یَرْعاہُ حَقَّ رِعایَتِہٖ.''

''بارِالٰہا! جبکہ تو نے (قرآن کی) تلاوت کے سلسلے میں ہماری مدد کی' اور اسے اچھے انداز میں پڑھنے کیلئے ہماری زبان کی گرہیں کھول دیں۔ پس ہمیں ایسے لوگوں میں قرار دے جو اس (قرآن) کے حق کا ایسا لحاظ رکھتے ہیں جیسا اسے لحاظ رکھنے کا حق ہے''۔ (صحیفہ سجادیہ۔ دعا نمبر ۴۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیتِ قرآن: یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلاوَتِہٖ (اور مومنین اس کتابِ الٰہی کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں' جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۲۱) کی تفسیر میں فرمایا: یَتَّبِعُونَہٗ حَقَّ اِتِّباعِہٖ (جیسا قرآن کی پیروی کا حق ہے' ویسی اس کی پیروی کرتے ہیں۔ تفسیر درالمنثور۔ ج ۱۔ ص ۱۱۱)

ایک دوسرے مقام پر آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

''رُبَّ تالِ الْقُرآنَ' وَ الْقُرآنُ یَلْعَنُہٗ.''

''کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں' جن پر قرآن لعنت کرتا ہے۔''

(بحارالانور۔ ج ۹۲۔ ص ۱۸۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ اطہار علیہم السلام کے یہ کلمات اور اس بارے میں آپ حضرات کے ایسے دسیوں ارشادات یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی ایسی ہی تلاوت اہمیت اور قدر و قیمت رکھتی ہے جو آیاتِ قرآنی میں غور و فکر اور اس کے احکام و فرامین پر عمل کے عزم کے ساتھ ہو۔ نیز قرآن سے حقیقی اُنس و لگاؤ اس میں تدبر و تفکر اور اس پر عمل سے وابستہ ہے۔ وگرنہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خونخوار دشمن نہروان کے خوارج سب کے سب قاریانِ قرآن تھے۔ لیکن قرآن کی صرف ''ق'' سے آشنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سراپا توحید حضرت علی علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دے کر ان سے مصروفِ جنگ تھے۔

اولیائے خدا کے، قرآن سے اُنس ولگاؤ کے نمونے

پیغمبرا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمۂ معصومین علیہم السلام اور اولیائے الٰہی، قرآنِ کریم سے بہت زیادہ اُنس ورغبت رکھتے تھے اور اس کے ظاہری و باطنی فیوضات سے مستفیض ہوتے تھے۔

یہ ہستیاں، آیاتِ قرآنی کی صرف ظاہری تلاوت پر اکتفا نہیں کرتیں تھیں، بلکہ قرآنی آیات پر غور وفکر، تدبر وتفکر کے ساتھ اس کتابِ ہدایت کی تلاوت میں مشغول ہوتی تھیں۔ ٹھہر ٹھہر کر، خوبصورت اور پُر کشش آواز میں، قرآن کے معانی ومفاہیم پر توجہ کے ساتھ، اور اس پر عمل کے عزم کے ہمراہ اسے پڑھتی تھیں۔

مثال کے طور پر قرآنِ مجید میں سینکڑوں مرتبہ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' آیا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جب بھی قرآنِ مجید کی تلاوت کے دوران اس جملے پر پہنچتے، اور اسے پڑھتے، فوراً کہا کرتے تھے کہ: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (حاضر ہوں، بارِالٰہا! حاضر ہوں۔ بحار الانوار۔ ج ۸۵۔ ص ۳۴)

آپؑ کا یہ طرزِ عمل اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ائمۂ معصومین علیہم السلام توجہ اور تدبر کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تھے اور اس تلاوت کے ہمراہ فرامینِ الٰہی پر عمل کا عزم کرتے تھے۔

اب ہم ائمۂ اطہارؑ اور اولیائے الٰہی کے قرآنِ کریم سے اُنس ورغبت کے کچھ واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ امام حسین علیہ السلام کو قرآنِ کریم سے اس قدر اُنس اور الفت تھی کہ جب کربلا میں نویں محرم کے دن، عصر کے وقت، دشمن نے آپؑ اور آپؑ کے اصحاب کے خیام پر حملے کا قصد کیا، تو آپؑ نے حضرت عباس علیہ السلام سے فرمایا: بھائی! آپ دشمن کے پاس جایئے اور ان سے

کہیے کہ وہ ہمیں آج رات کی مہلت دیدیں، کیونکہ: هُوَ يَعْلَمُ اَنِّی اُحِبُّ الصَّلاةَ لَهُ وَ تِلاوَةَ كِتابِهِ (خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز اور تلاوتِ قرآن کس قدر عزیز ہے۔ تاریخ طبری۔ ج ٦۔ ص ۳۳۷، نفس المهموم۔ ص ۱۱۳)

۲۔ امام زین العابدین علیہ السلام جب بھی سورہ حمد پڑھتے ہوئے اس کی آیت "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" پر پہنچتے تو اس آیت کو ایک خاص خضوع کے ساتھ دہراتے، یہاں تک کہ محسوس ہونے لگتا کہ ابھی آپ کی روح پرواز کر جائے گی۔ (اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ٦٠۲)

آپؑ اس قدر خوبصورت اور پیاری آواز میں قرآنِ کریم پڑھا کرتے تھے کہ قریب سے گزرنے والے سقّے (پانی لانے والے) یہ دلنشین آواز سننے کے لئے وہیں ٹھہر جاتے تھے۔ (اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ٦١٦)

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام دورانِ نماز ایک ایسی خاص ملکوتی حالت کے ساتھ آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے کہ آپؑ پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک روز، ایسا ہونے کے بعد جب آپؑ کی حالت معمول پر آئی تو وہاں موجود لوگوں نے پوچھا: آپؑ پر یہ کیسی کیفیت طاری ہوگئی تھی؟ حضرتؑ نے جواب دیا: ما زِلْتُ اُكَرِّرُ آياتَ الْقُرْآنِ حَتّٰى بَلَغْتُ اِلٰى حالٍ كَاَنَّنِی سَمِعْتُها مُشافِهَةً مِمَّنْ اَنْزَلَها (میں مسلسل آیاتِ قرآنی دُہرا رہا تھا یہاں تک کہ میری حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں ان قرآنی آیات کو براہِ راست، قرآن کے نازل کرنے والے کی زبانی سن رہا ہوں۔ بحار الانوار۔ ج ۸۴۔ ص ۲۴۸)

۴۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام، قرآنِ کریم سے اس قدر اُنس و رغبت رکھتے تھے کہ ہر تین روز میں ایک پورا قرآن ختم کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: اگر میں چاہوں تو تین دن سے بھی کم مدّت میں قرآن ختم کر سکتا ہوں، لیکن میں نے کبھی قرآن کی کوئی آیت اس کے معنی میں

غور وفکر اور اس بارے میں سوچے بغیر نہیں پڑھی ہے کہ یہ آیت کس موضوع کے بارے میں ہے، اور کس وقت نازل ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تین دن میں ایک پورے قرآن کی تلاوت کرتا ہوں، بصورتِ دیگر تین دن سے بھی کم میں پورا قرآن ختم کر لیتا۔" (مناقب ابن شہر آشوب۔ ج ۴۔ ص ۳۶۰)

۵: "مستدرک الوسائل" کے مؤلف "محدث نوریؒ" معتبر سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ عالمِ ربانی وفقیہِ صمدانی آیت اللہ العظمیٰ سید محمد مہدی بحر العلوم (م: ۱۲۱۲ھ ق) ایک روز امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مرقدِ مطہر کی زیارت کے لئے آپؑ کے حرمِ مقدس میں داخل ہوئے، تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ وجد کی حالت میں یہ شعر گنگنا رہے ہیں:

چہ خوش است صوتِ قرآن ز تو دلربا شنیدن

بہ رخت نظارہ کردن سخنِ خدا شنیدن

کچھ دیر بعد بعض لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حرم میں کس مناسبت سے یہ شعر پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: جب میں حرم میں داخل ہوا، تو میں نے حضرتِ حجت امامِ زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کو امیر المومنینؑ کی ضریح کے نزدیک پایا۔ آپؑ بلند اور خوبصورت لہجے میں قرائتِ قرآن میں مشغول تھے۔ میں نے آپ کی دل نشین آواز سن کر یہ شعر پڑھا تھا۔ جب میں حرم میں پہنچا تو آنجنابؑ قرائتِ قرآن ختم کر کے حرم سے نکل گئے۔ (جنۃ الماویٰ)

۶۔ جنگِ صفین کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے، ایک روز مسجدِ کوفہ میں اپنے اصحاب کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے میں آپؑ نے جنگِ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے اپنے چند خاص اصحاب کو انتہائی دکھ بھرے لہجے میں یاد کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

"کہاں ہیں میرے وہ بھائی جو سیدھی راہ پر چلتے رہے، اور حق پر گزر گئے؟

کہاں ہیں عمار؟ اور کہاں ہیں ابن تیہان؟ اور کہاں ہیں ذوالشہادتین؟ اور کہاں ہیں ان جیسے اور دوسرے بھائی کہ جو جانبازی کا عہد و پیمان باندھے ہوئے تھے اور جن کے سروں کو (کاٹ کر) فاسقوں کے پاس روانہ کیا گیا''۔

اس کے بعد حضرتؑ اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر دیر تک رویا کیے۔ اور پھر اپنے ان ساتھیوں کی چند صفات کا ذکر کیا' اور ان کی پہلی صفت ''تلاوتِ قرآن اور اس کے احکام پر عمل'' کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اَوِّہِ عَلٰی اِخْوَانِیَ الَّذِیْنَ تَلَوُا الْقُرْاٰنَ فَاَحْکَمُوْہُ' وَتَدَبَّرُوا الْفَرْضَ فَاَقَامُوْہُ.''

''آہ! میرے وہ بھائی جنہوں نے قرآن کو پڑھا تو اس پر کاربند ہوئے۔ اپنے فرائض پر غور و فکر کیا تو انہیں ادا کیا۔'' (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۸۰)

۷۔ ہم گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے اسلامی جمہوریٔ ایران کے بانی رہبر کبیر حضرت امام خمینیؒ کے قرآنِ کریم سے اُنس و رغبت کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

امام خمینی علیہ الرحمہ' اپنے ظاہر و باطن میں' قرآنِ مجید پر انتہائی زیادہ اور بہت گہری توجہ دیتے تھے۔ آپ کا قرآنِ کریم سے تعلق انتہائی عقیدت و احترام پر مبنی تھا۔ آپ نے اس کتابِ ہدایت سے بکثرت فکری اور عملی استفادہ کیا۔ اپنے مقاصد کی پیشرفت اور اس سلسلے میں حصولِ قوت کے لئے قرآن ہی آپ کا سب سے زیادہ اطمینان بخش سہارا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ:

''اگر خدا نے قرآن میں طاغوتوں سے مقابلے پر مشتمل انبیا کی داستانوں کا ذکر کیا ہے' موسیٰ و فرعون' ابراہیم و نمرود وغیرہ۔۔۔ کا تذکرہ کیا ہے' تو اس کا مقصد داستان سرائی نہیں ہے' بلکہ طاغوتوں کے خلاف انبیا کے لائحۂ عمل کا بیان

مقصود ہے۔ یعنی ہم جو قرآن کے پیروکار ہیں، ہمیں طاغوتوں کی نابودی تک
ان کے خلاف جدوجہد کرنی چاہئے"۔

آپ نے بارہا فرمایا کہ: قرآن ایک مکمل انسان ساز کتاب ہے۔ یہ انسان سازی کے لئے نازل ہوئی ہے۔

امام خمینی علیہ الرحمہ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ، حتیٰ وہ دور بھی جب ایران پر عراق کی طرف سے مسلط کردہ جنگ جاری تھی اور وہ زمانہ بھی جب آپ اپنی آخری عمر میں سخت بیماری کے نتیجے میں صاحبِ فراش تھے، قرآن سے اُنس و رغبت کے ساتھ بسر ہوا۔ آپ آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور ان میں تدبر کے ذریعے خداوندِ عالم سے تعلق اور رابطہ پیدا کرتے تھے۔ آپ کے آفس کے ایک کارکن کے مطابق:

"ہر روز امام خمینیؒ کا ایک خاص منظم پروگرام ہوتا تھا۔ آپ اپنے وقت کا ایک حصہ آیاتِ قرآن کی تلاوت میں گزارتے تھے۔ آپ کے کام اس قدر منظم اور پروگرام کے مطابق ہوا کرتے تھے کہ معمولاً کبھی بھی ایک کام پر آپ کی توجہ، آپ کے دوسرے کام کے خراب ہونے کا موجب نہیں ہوتی تھی۔"

امام خمینیؒ جب آدھی رات کو نمازِ شب کے لئے بیدار ہوتے، تو کچھ دیر قران کی تلاوت کرتے۔ حتیٰ عمر کے آخری دنوں میں جب آپ بہت زیادہ علالت کی باعث صاحبِ فراش تھے، خفیہ کیمروں سے آپ کی جو فلم بنائی گئی، اس فلم میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ آپ بستر سے اٹھتے اور بیٹھ کر قرآن ہاتھ میں لے کے آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

امام خمینیؒ کو فراغت کا کوئی چھوٹا سا وقفہ بھی ملتا، تو آپ اسے قرآنِ کریم کی تلاوت میں گزارتے۔ کہتے ہیں کہ جب گھر میں کھانے کیلئے دسترخوان چنا جا رہا ہوتا، تو اس چھوٹے سے وقفے میں بھی آپ قرآنِ کریم کھول کر پڑھنے لگتے۔

جس زمانے میں آپ نجفِ اشرف میں مقیم تھے، آپ کی آنکھوں میں کچھ تکلیف

ہوئی۔آپ نے ڈاکٹر سے رجوع کیا' ڈاکٹر نے آپ کی آنکھوں کے معاینے کے بعد کہا کہ: آپ کچھ دن قرآن نہ پڑھئے گا' اور اپنی آنکھوں کو آرام دیجئے گا۔یہ سن کر امام خمینیؒ مسکرائے اور ڈاکٹر سے کہا: میں قرآن پڑھنے ہی کیلئے تو آنکھیں چاہتا ہوں' کیا فائدہ کہ میری آنکھیں تو ہوں لیکن میں ان سے قرآن نہ پڑھ سکوں؟ آپ کچھ ایسا کیجئے کہ میں قرآن پڑھ سکوں۔

نجفِ اشرف میں امام خمینیؒ کے ساتھ رہنے والے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ: امام خمینیؒ ماہِ رمضان میں ہر روز قرآنِ مجید کے دس پارے پڑھتے تھے۔یعنی ہر تین دن بعد ایک قرآن ختم کرتے تھے۔یوں آپ ماہِ رمضان میں دس قرآن ختم کرتے تھے۔

روایات میں آیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک ممتاز شاگرد ''علی بن مغیرہ'' نے آپؑ سے عرض کیا: میں اپنے والد کی طرح' ماہِ رمضان میں چالیس قرآن ختم کرتا ہوں۔ کبھی مصروفیات یا تھکن کی وجہ سے یہ تعداد کم ہوجاتی ہے اور کبھی فراغت اور بشاشت کی وجہ سے زیادہ۔پھر (عید) فطر کے دن' ان میں سے ایک ختمِ قرآن کا ثواب پیغمبر اسلام کو ہدیہ کرتا ہوں۔دوسرے ختمِ قرآن کا ثواب حضرت علیؑ کو' تیسرے ختمِ قرآن کا ثواب حضرت فاطمہؑ کو اور اسی طرح دوسرے ائمہ اطہارؑ کو۔۔۔یہاں تک کہ آپؑ کو بھی شامل کرتا ہوں۔اس عمل سے مجھے کیا ثواب ملے گا؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

''لَکَ بِذٰلِکَ اَنْ تَکُونَ مَعَهُمْ یَوْمَ الْقِیامة.''

''تمہاری جزا یہ ہے کہ تم روزِ قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہوگے۔''

میں نے کہا: اللہ اکبر! سچ مچ کیا میرا یہ مقام ہوگا؟ امامؑ نے تین مرتبہ فرمایا: ہاں' ہاں' ہاں۔(اصول کافی۔ج ۲۔ص ۶۱۸)

اس گفتگو کی آخری سطور کو ہم تلاوتِ قرآن کے ثواب کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کے

ایک کلام سے زینت بخشتے ہیں۔آنحضرتؐ نے فرمایا:

''جو شخص ہر رات قرآنِ کریم کی دس آیات پڑھے گا' اس کا نام 'غافلوں'' کے ساتھ نہیں لکھا جائے گا۔اور جو کوئی ہر رات پچاس آیات پڑھے گا' اس کا نام ''ذاکرین'' میں لکھا جائے گا' اور جو کوئی سو آیات پڑھے گا' اس کا نام ''قانتین'' (مخلص اور عاجز بندگانِ خدا) میں' اور جو کوئی دو سو آیات پڑھے گا اس کا نام خاشعین میں' اور جو کوئی تین سو آیات پڑھے گا' اس کا نام ''فائزین'' (کامیاب افراد) میں ثبت کیا جائے گا۔اور جو شخص پانچ سو آیات کی تلاوت کرے گا' اس کا نام ''مجتہدین'' (راہِ حق کے متلاشی افراد) میں' اور جو کوئی ایک ہزار آیات پڑھے گا' اس کیلئے نیکیوں کا قنطار ہو گا۔اور ہر قنطار پندرہ ہزار مثقال سونے کے برابر ہو گا اور اس میں کا ہر مثقال چوبیس قیراط کا ہو گا اور اس کا سب سے چھوٹا قیراط کوہِ احد کے برابر ہو گا اور سب سے بڑا قیراط زمین سے آسمان کی بلندی جتنا ہو گا۔'' (اصول کافی۔ج ۲۔ص ۶۱۸)

قرآن کا اصل مقصد' اس کے احکام پر عمل

البتہ اس جانب متوجہ رہنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کے حوالے سے ہماری اہم ترین ذمے داری یہ ہے کہ ہم اس کی تعلیمات اور اس کے احکام پر عمل کریں۔یعنی قرآنِ مجید ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں ہمارا دستورِ عمل ہو۔اور عملاً گمراہی کی تاریکیوں سے ہدایت کی روشنی کی جانب انسانیت کا رہنما ہو۔جیسا کہ خود قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس اہم مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔سورۂ یونس میں ہے کہ:

''یَآ اَیُّھَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ وَ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ.''

''اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی شفا کا سامان اور ہدایت اور صاحبانِ ایمان کے لئے رحمت (قرآن) آچکا ہے۔''

(سورۂ یونس ۱۰۔آیت ۵۷)

لہٰذا قرآنِ مجید کو ہمارے لئے وعظ ونصیحت ہونا چاہئے۔یعنی اسے ہمیں غفلتوں اور لاپرواہیوں سے نکالنا چاہئے اور ہمارے کمال کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرکے ہماری ترقی اور کمال کی راہ ہموار کرنی چاہئے۔

اسی طرح اس نسخہ شفا کو ہماری معنوی بیماریوں کا مداوا بھی کرنا چاہئے' اسے ہمارے دلوں کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ بھی بننا چاہئے۔نیز اسے کمال کی جانب ہماری ہدایت و رہنمائی کا وسیلہ اور مومنین کے لئے باعثِ رحمت ہونا چاہئے۔

پس اگر قرآنِ کریم ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں یہ بنیادی کردار ادا نہ کررہا ہو' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن ہمارے درمیان متروک اور مہجور ہے۔سورۂ ابراہیم کی پہلی ہی آیت میں ہے کہ:

''کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ.''

''یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے' تاکہ آپ لوگوں کو خدا کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر' نور کی طرف لے آئیں۔''

(سورۂ ابراہیم ۱۴۔آیت ۱)

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے تاکید فرمائی ہے کہ:

''اَللّٰهَ اللّٰهَ فِی الۡقُرۡاٰنِ لَا یَسۡبِقُکُمۡ بِالۡعَمَلِ بِهٖ غَیۡرُکُمۡ.''

''قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر عمل میں تم پر سبقت لے جائیں۔'' (نہج البلاغہ۔مکتوب ۴۷)

ہر چیز کے چار وجود ہوتے ہیں: وجودِ ذہنی' وجودِ لفظی' وجودِ تحریری اور وجودِ عینی وخارجی۔

مثلاً اگر انسان پیاسا ہو تو کتنا ہی وہ زبان سے پانی' پانی' پانی' کہتا رہے' اس کی پیاس نہیں بجھے گی۔ اور کتنا ہی وہ پانی' پانی لکھتا رہے' اس کی تشنگی جوں کی توں رہے گی۔ اور کتنا ہی وہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا خیال اپنے ذہن میں لائے' پیاسا کا پیاسا ہی رہے گا۔ صرف اسی صورت میں اس کی تشنگی ختم ہوگی' اس کی پیاس بجھے گی' جب وہ واقعی پانی کی جستجو کرے اور اس کا گلاس اٹھا کر پی جائے۔

بالکل اسی طرح قرآنِ کریم کے الفاظ' تحریر اور اس کی آیات کو ذہن میں لانا نجات و کامیابی کا باعث نہیں بن سکتا' محض یہ عمل انسان کی معنوی ضروریات کی تسکین نہیں کر سکتا۔ بلکہ جو چیز باعثِ نجات ہوگی وہ قرآن سے واقعی وابستگی ہے۔ یعنی اپنی زندگی کو قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا' اپنے اعمال کو قرآن کے مطابق انجام دینا' زندگی کے تمام میدانوں میں قرآنی احکام و فرامین کا نفاذ کرنا۔

پہلے تین وجود (ذہنی' لفظی اور تحریری) اس وقت قابلِ قدر ہیں جب وہ قرآن سے شناسائی اور اس پر عمل کا مقدمہ ہوں۔

مثلاً ایک ویٹ لفٹر کو ذہن میں رکھئے۔ وہ شروع شروع میں صرف بیس کلو وزن اٹھا پاتا ہے۔ لیکن مسلسل مشق اور بار بار پریکٹس کے نتیجے میں' وہ اپنے اندر دو سو کلو تک وزن اٹھانے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ جی ہاں' عمل انسان میں اتنی قوت پیدا کر دیتا ہے۔

تاریخ میں امِ عقیل نامی ایک بادیہ نشین خاتون کا ذکر آیا ہے۔ اس خاتون نے دل کی گہرائیوں سے اسلام قبول کیا' اور سچے ایمان کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوئیں۔ ایک دن ان کے یہاں دو مہمان آئے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کے دوران اچانک انہیں پتا چلا کہ ان کا بچہ اونٹوں کے نزدیک کھیل رہا تھا' کہ اونٹوں نے اسے کچل کر مار دیا۔ امِ عقیل نے مہمانوں کو اس سانحے سے مطلع کیے بغیر' اس واقعے کی خبر لانے والے سے درخواست کی کہ وہ مہمانوں کی خاطر مدارت میں ان کی مدد کرے۔ کھانا پکنے کے بعد جب مہمان اسے تناول کر چکے تب انہیں امِ

عقیل کے بیٹے کی موت کا پتا چلا۔ انہیں اس عورت کے صبر' حوصلے اور بلند ہمتی پر بڑا تعجب ہوا۔

مہمانوں کے چلے جانے کے بعد چند مسلمان امِ عقیل کے پاس تعزیت وتسلیت کی غرض سے آئے۔ امِ عقیل نے ان سے کہا: کیا تم میں آیاتِ قرآنی جاننے والا کوئی شخص موجود ہے' جو تلاوتِ قرآن کے ذریعے میرے دل کو تسلی دے؟ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں' میں ہوں۔ اور پھر اس نے درج ذیل آیات کی تلاوت کی:

''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ''.

''اور آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے' جو مصیبت پڑنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں' ان (لوگوں) کے لئے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے' اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷)

ان مسلمانوں کو رخصت کرنے کے بعد امِ عقیل نے وضو کیا اور دستِ دعا اٹھا کے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بارِ الٰہا! تو نے صبر کا جو حکم دیا تھا' میں نے اسے انجام دیا' اب تو (صبر کی جزا کے سلسلے میں) اپنا وعدہ پورا فرما۔

یوں اس خاتون نے قرآن سے سبق لیا' اور سخت ترین حالات میں اس پر عمل کیا' نتیجے کے طور پر سکون واطمینان کی دولت حاصل کی۔

ماہِ رمضان

بارگاہِ الٰہی میں دعا و مناجات کا موسمِ بہار

ماہِ رمضان، خودسازی اور تزکیۂ نفس کا مہینہ ہے۔ خداوندِ عالم نے گناہ کی آلودگیوں سے روح کی صفائی کے لئے اس مہینے میں تمام اسباب و وسائل فراہم کر دیئے ہیں۔ اور اپنے مخصوص لطف و رحمت کے ذریعے تہذیبِ نفس، صفائے باطن اور معنوی کمال کی راہ کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔

یہ مہینہ انسانوں کے لئے ایک بہترین موقع ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی کے وسیع اور رنگارنگ دسترخوان سے مستفید ہوں اور اس پر موجود طرح طرح کی معنوی غذاؤں کے ذریعے اپنی روح کو تقویت پہنچائیں۔

حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ خداوندِ عالم نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ: اِنَّ لِلّٰهِ فِی اَیّامِ دَهرِ کُم نَفَحاتٌ اَلاٰ فَتَرَ صَّدوُالَها (بے شک تمہاری زندگی میں خدا کے لئے سودمند لحظات پائے جاتے ہیں۔ ہوشیار رہوں اور ان لحظات کی تاک میں رہو اور ہوشیاری اور سنجیدگی کے ساتھ ان سے استفادہ کرو۔ بحارالانوار۔ ج ۷۵۔ ص ۱۶۸)

ماہِ رمضان اصلاحِ ذات، تہذیبِ نفس اور باطن کو آلودہ کردینے والے ہر قسم کے عوامل سے چھٹکارا پانے کا بہترین موقع ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نہ صرف خود کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے تیار کریں بلکہ لازم ہے کہ ہوشیاری کے ساتھ اس موقع کی تاک میں رہیں اور کسی صورت اسے ہاتھ سے نہ نکلنے دیں۔

ماہِ رمضان میں خودسازی اور تہذیبِ نفس کا واحد ذریعہ صرف روزہ ہی نہیں، بلکہ اس مہینے میں مستحب قرار دیئے گئے اعمال میں سے ہر ایک عمل تہذیبِ نفس اور اصلاحِ کردار کے سلسلے میں خاص اثر رکھتا ہے۔ یہ اعمال تلاوتِ قرآنِ مجید، خدا سے دعا و مناجات، یادِ خدا، یادِ قیامت، صبر و ثبات کا حصول اور مفلس و محروم افراد کو غذا کی فراہمی ہیں۔

ان اعمال میں سے ایک عمل، جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ خودسازی کے سلسلے میں انتہائی اہم کردار (Role) رکھتا ہے، اور ماہِ رمضان کو اس کا موسمِ بہار کہا گیا ہے، وہ بارگاہِ الٰہی میں ''دعا اور مناجات'' ہے۔

زیرِ نظر سطور میں ہم دعا کی اہمیت، اسکے صحیح طریقے اور اسکے آثار و اثرات کے بارے میں ایک مختصر گفتگو کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں دعا کی اہمیت اور اسکی تاکید

قرآنِ مجید، گفتارِ پیغمبرؐ اور فرامینِ ائمہؑ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا اور خدا سے مناجات کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ چند مثالیں حاضرِ خدمت ہیں:

ا۔ خداوندِ عالم قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

''قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ.''

''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں، تو پروردگار تمہاری پروا بھی نہ کرتا۔'' (سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۷۷)

لہٰذا انسان کی شخصیت کا وزن اور اسکی اہمیت بارگاہِ الٰہی میں دعا اور اس کے ساتھ تعلق سے وابستہ ہے۔

۲۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْ خُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ."

"اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا اور یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں، وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔" (سورۂ غافر ۴۰۔ آیت ۶۰)

اس آیت میں دعا کے تعلق سے پانچ اہم نکات کی جانب اشارہ موجود ہے:

☆ دعا کرنا خدا کو پسند ہے۔ وہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں اور اسکی بارگاہ میں دعا کرنے والے اور اس سے راز و نیاز کرنے والے بنیں۔

☆ دعا قبول کی جاتی ہے۔ قبولیتِ دعا کی شرائط فراہم کر کے، پروردگارِ عالم سے مثبت جواب پائیے۔ خدا سے دعا کی استجابت اور قبولیت کی ایک شرط خود سازی اور اصلاحِ کردار ہے۔

☆ دعا، عبادت ہے اور عبادت کا ثواب رکھتی ہے۔ نیز بندگی اور عبودیت کی علامت ہے، بلکہ بعض احادیث کے مطابق دعا بہترین عبادت ہے۔

معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا: آپ کے چاہنے والوں میں سے دو افراد مسجد میں آتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص دیر تک نمازیں پڑھتا رہتا ہے اور دوسرا زیادہ وقت دعاؤں میں مشغول رہتا ہے۔ بتایئے ان میں سے کونسا شخص افضل ہے؟ امامؑ نے انہیں جواب دیا: اکثرھما دُعاءً (جو شخص زیادہ دعا میں مشغول رہتا ہے، وہ افضل ہے۔ اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ۴۶۶)

☆ دعا ومناجات سے دور رہنے والے لوگ، مغرور اور متکبر ہوتے ہیں۔

☆ ذلت آمیز عذابِ جہنم، دعا اور مناجات نہ کرنے والے لوگوں کا منتظر ہے۔

رسولِ کریمؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے کلمات و فرمودات میں، دعا کی اہمیت کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔

ایک کلام میں پیغمبر فرماتے ہیں: **اَلدُّعَاءُ سَلاحُ الْمُؤْمِنِ، وَ عَمُودُ الدِّینِ، وَ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ** (دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ تفسیر مجمع البیان۔ ج ۸۔ ص ۵۲۹)

یعنی دعا مومن کی تقویت کا باعث، اسکے دین اور عقیدے کے استحکام کا موجب اور ہر جگہ اسکی روح کی نورانیت کا سبب ہے۔ نہایت واضح بات ہے کہ ان خصوصیات کا حامل ہونا خودسازی اور تہذیبِ نفس کی بنیادی علامات میں سے ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے ایک دوسرے کلام میں فرمایا ہے: **اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ وَلا یَهْلِکُ مَعَ الدُّعاءِ اَحَدٌ** (دعا عبادت کا مغز (جوہر) ہے، دعا کرنے والوں میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوتا ۔ بحار الانوار۔ ج ۹۳۔ ص ۳۰۰)

یعنی دعا، انسان کی فکر اور سوچ کو تقویت دیتی اور کھولتی ہے، نیز اسے شادابی اور تازگی بخشتی ہے اور جو لوگ دعا ومناجات سے لگاؤ رکھتے ہیں وہ ان کے نتائج سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیشہ عافیت میں رہتے ہیں اور ہرگز ہلاکت میں مبتلا نہیں ہوتے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: **اَلدُّعاءُ مَفاتِیحُ النَّجاحِ، وَ مَقالِیدُ الْفَلاحِ** (دعا، کامیابی کی کنجیاں اور نجات کے خزانے ہیں۔ اصول کافی۔ ج ۲۔ ص ۴۶۸)

مکتبِ دعا سے بہتر استفادے کیلئے آداب کا ملحوظ رکھنا

ہر عبادت کے کچھ آداب اور شرائط ہوتے ہیں، جن کے بغیر یہ عبادت بے اثر رہتی

ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دعا کے آداب وشرائط کو جانیں اور انہیں ملحوظ رکھ کر دعا کریں' تا کہ ہماری دعائیں اثر بخش ہوں۔اسی صورت میں دعا تہذیبِ نفس اور اصلاحِ کردار میں اپنا اثر دکھائے گی۔مثال کے طور پر گناہ سے کنارہ کش ہونے کا پختہ عزم' دل کو پاک کرنا' حلال غذا اور جائز کسبِ معاش' امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور عادل اور لائق قیادت کی رہبری قبول کرنا' دعا کی شرائط میں شامل ہیں۔

دعا کے آداب بھی متعدد ہیں جیسے:

۱۔خدا کے نام اور صفاتِ الٰہی کے تذکرے سے دعا کا آغاز کرنا۔

۲۔محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر درود اور سلام بھیجنا۔

۳۔دعا کے وقت اولیائے الٰہی' جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ اطہار علیہم السلام کو شفیع قرار دینا۔

۴۔اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا۔

۵۔دورانِ دعا بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑانا۔

۶۔دعا سے پہلے دو رکعت نمازِ حاجت ادا کرنا۔

۷۔دعا کو معمولی اور غیر اہم بات نہ سمجھنا۔

۸۔خدا کی عظمت وبزرگی کے سامنے اپنی خواہشات اور حاجات کو حقیر اور ناچیز سمجھنا۔

۹۔دعا میں عالی ہمتی اور بلند نظری کو پیش نظر رکھنا۔

۱۰۔اپنی دعا میں سب کو شامل کرنا۔

۱۱۔پوشیدہ دعا کرنا' جس کی اہمیت ستّر علانیہ دعاؤں کے مساوی ہے۔

۱۲۔قبولیتِ دعا کے سلسلے میں حسنِ ظن رکھنا۔

۱۳۔مناسب ومقدس جگہوں اور اوقات میں دعا کرنا۔

۱۴۔دعا کرتے ہوئے اصرار کرنا۔(میزان الحکمہ۔ج ۳۔ص ۲۶۰ تا ۲۶۷ سے ماخوذ)

واضح رہے کہ ان آداب وشرائط میں سے ہر ایک، خدا سے مضبوط تعلق کے قیام اور خود سازی کے سلسلے میں مثبت کردار رکھتے ہیں اور انسان کو پاکیزگی، اصلاح اور کمال کی جانب اسکی صحیح اور ثابت قدمی کے ساتھ حرکت کیلئے زیادہ سے زیادہ تیار کرتے ہیں۔ لہٰذا دعائے کمیل کے الفاظ ہیں کہ:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيَ الذُّنُوبَ الَّتِي تَحْبِسُ الدُّعَاءَ.''

''بارِ الٰہا! میرے ان گناہوں کو بخش دے، جو دعاؤں کی قبولیت اور ان کی تاثیر میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔''

اسی طرح ماہِ رمضان کی دعاؤں اور ان کے علاوہ پڑھی جانے والی دعاؤں میں ہم اکثر فکر وعمل کی پاکیزگی، گناہ اور گمراہی سے پرہیز اور ہر قسم کی برائیوں اور نجاستوں سے دوری طلب کرتے ہیں اور کلی طور پر دعاؤں کے مضامین خودسازی کا رجحان لئے ہوتے ہیں۔

مثلاً ماہِ رمضان کی صبحوں میں پڑھی جانے والی دعا ''دعائے ابوحمزہ ثمالی'' کا ہر جملہ تہذیبِ نفس، اصلاحِ کردار اور صفائے باطن کا ایک مکتب ہے۔ مثلاً اس دعا کے ایک حصے میں ہم پڑھتے ہیں کہ:

''اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ، وَ عَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ، وَلِسَانِي مِنَ الْكِذْبِ، وَ عَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ.''

''بارِ الٰہا! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا اور دکھاوے سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے پاک فرما۔''

یہ تمام گفتگو اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ آداب وشرائط کے ساتھ صحیح دعا خودسازی اور تعمیر کردار کی غرض سے رمضان کی روح سے استفادے کیلئے ایک مضبوط اور گہرا عامل ہے۔

نیز مکتبِ ماہِ رمضان، اپنے مختلف پہلوؤں میں، جن میں سے ایک خدا کے اس مہینے میں دعا بھی ہے پاکیزہ روح، قلبِ سلیم اور خالص نیت کی پرورش ونشوونما کیلئے ایک عالی ترین مکتب ہے۔

ہمیں اہلِ بیتؑ سے دعا کا سلیقہ اور بارگاہِ الٰہی میں التماس کا ڈھنگ سیکھنا چاہئے۔ دعا کے بنیادی ارکین میں سے ایک رکن یہ بھی ہے کہ ہماری دعائیں معقول، مناسب، پُر معنی اور صحیح اور جچے تلے اصولوں کی بنیاد پر ہوں۔

پیغمبرؐ اور ائمۂ اطہارؑ سے نقل ہونے والی، یا قرآنِ مجید میں نظر آنے والی دعائیں وضاحت کے ساتھ ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہیں کہ دعاؤں کے مضامین کو اعلیٰ معنی اور گہرائی کا حامل ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر بطل توحید حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے بیت اللہ کی بنیادوں کی تجدید کے بعد چند دعائیں کیں، جنہیں قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ . رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.''

''پروردگار! ہماری محنت کو قبول فرمالے، کہ تو بہترین سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دیدے، اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار امت پیدا کر۔ ہمیں ہمارے مناسک دکھلا دے، اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو بہترین توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار! ان کے درمیان ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے۔ بے شک تو صاحبِ عزت اور صاحبِ حکمت ہے۔''

(سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹)

''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ. رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ۚ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ.''

''پروردگار! اس شہر کو محفوظ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھ' پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' تو اب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا' اور جو میری معصیت کرے گا' اسکے لئے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی ذرّیت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے' تا کہ نمازیں قائم کریں۔ اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما' تا کہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔ پروردگار! ہم جس بات کا اعلان کرتے ہیں' یا جس کو چھپاتے ہیں' تو اس سب سے باخبر ہے اور اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔''

(سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۳۵ تا ۳۸)

مدرسۂ دعا کے تین اہم سبق

دعا اور خداوندِ عالم سے التماس و استدعا' جسے ماہِ رمضان کے پروگرام کا حصہ قرار دیا گیا ہے اور جو رمضان اور روزے کے مفہوم کی تکوین میں بنیادی کردار کی حامل ہے' وہ بارگاہِ

الٰہی میں فقط حاجات وضروریات کے پورا ہونیکی درخواست کا نام نہیں ہے' بلکہ اسکے تین پہلو ہیں۔ واضح الفاظ میں عرض ہے کہ ہمیں مکتبِ دعا سے تین عظیم اور اہم ترین سبق حاصل کرنے چاہئیں' اور دعا کرتے ہوئے ہمیں ان تینوں پر گہری توجہ رکھنی چاہئے۔

☆ دعا بلاؤں کی دوری اور حاجات کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک کلام میں فرمایا:

''اِدْفَعُوا اَمْوَاجَ الْبَلَاءِ عَنْکُمْ بِالدُّعَاءِ قَبْلَ وُرُودِ الْبَلَاءِ.''

''بلاؤں کے طوفان کو آنے سے پہلے' دعا کے ذریعے اپنے آپ سے دور کر دو۔'' (بحار الانوار۔ ج ۱۳۔ ص ۲۸۹)

☆ دعا کے ساتھ نالہ وفریاد' خضوع وخشوع اور راز و نیاز ہوتا ہے۔ اور یہ خصوصیت انسان کے غرور کو توڑتی ہے اور قلب کو معنوی نعمتوں کی قبولیت کیلئے تیار کرتی ہے۔ اسکے نتیجے میں دلی سکون' قوتِ قلب اور عالی ہمتی انسان کو ملتی ہے۔ خداوندِ عالم کا قول ہے: اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً (تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی کے ساتھ پکارو۔ سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۵۵)

☆ ان سب سے اہم ترین چیز پیغمبر اسلامؐ اور ائمۂ معصومینؑ سے منقول دعاؤں کے بلند معارف اور گہرے اور پُر معنی نکات سے مالا مال مضامین کی جانب ہماری توجہ ہے' جو در حقیقت انسان سازی کی عظیم درسگاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر صحیفۂ سجادیہ کی پہلی دعا اور اسی طرح نہج البلاغہ کا پہلا خطبہ' دونوں میں یکساں طور سے عالی ترین سطح پر معارفِ اسلامی کو بیان کیا گیا ہے اور معارف اور حقیقی عرفان کے سود مند ترین درس ہمیں دیئے گئے ہیں۔

دعاؤں کے مضامین پر گہرا غور وفکر انسان کی معلومات اور معرفت کی سطح بلند کرنے کا باعث ہے اور عالی درجہ تعمیری اور تکامل بخش مفاہیم واقدار جن میں سرِ فہرست توحید اور اسکے مختلف پہلو ہیں کے بارے میں انسان کی شناخت ومعرفت کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

کچھ لوگوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ہم دعا کرتے ہیں لیکن وہ قبول نہیں ہوتی، اسکی کیا وجہ ہے؟ امامؑ نے انہیں جواب دیا:

"لِاَنَّکُمْ تَدْعُوْنَ مَنْ لَاتَعْرِفُوْنَهُ."

"وجہ یہ ہے کہ تم ایسی ہستی کو پکارتے ہو، جس کی معرفت نہیں رکھتے۔"

(بحارالانوار۔ج۹۳۔ص۳۶۸)

یعنی دعا کرتے ہوئے خدا کی معرفت و شناخت اور اصولِ تکامل پر بھی توجہ ہونی چاہئے۔

❁❁❁

روزے کے وجوب کا فلسفہ

خداوندِ حکیم نے انسان کو آزاد اور خود مختار خلق کیا ہے' اسے خیر وشر کے انتخاب کا اختیار دیا ہے' اور اپنے انبیاؑ کے ذریعے حق اور باطل کے راستے اسکے لئے متعین اور واضح کئے ہیں۔

ایسے لوگ جنہوں نے اللہ رب العزت کے احکام وفرامین سے ماخوذ زندگی کی صحیح راہ قبول کی ہے' انہوں نے درحقیقت اپنی فطرت سے اٹھنے والی آواز کا مثبت جواب دیا ہے' انبیاؑ کے مکتب کی پیروی کی ہے اور اپنے آپ کو حیوانات کی سرشت ''مطلق آزادی'' سے محفوظ رکھ کر' خدا کے مقرر کردہ فرائض اور ذمے داریوں کی قبولیت کے اعزاز سے سرفراز ہو کر' اللہ کے اس عہدنامے پر دستخط کئے ہیں کہ: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (اولادِ آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبردار شیطان کی اطاعت نہ کرنا' کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اور میری عبادت کرنا کہ یہی صراطِ مستقیم اور سیدھا راستہ ہے۔ سورہ یٰسین ۳۶ - آیت ۶۰' ۶۱)

آیاتِ قرآنی اور احادیثِ معصومینؑ سے پتا چلتا ہے کہ رُستگار اور نجات یافتہ لوگ فقط

خدا پرست اور فرائضِ الٰہی کے پابند افراد ہیں۔ جبکہ اِن کے سوا دوسرے انسان، انسانیت کے شرف وفضیلت سے محروم لوگ ہیں۔

''روزہ'' دین اسلام کے بلند اور ارفع احکام میں سے ایک حکم ہے، جو دنیا و آخرت کی سعادت، تزکیۂ نفس، تعمیر کردار اور جسمانی سلامتی کا ضامن ہے۔ جو خدا کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جسے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں پر واجب کرکے ان پر احسان کیا ہے۔

روزہ، انسان کو گناہ سے باز رکھنے اور سرکش نفس کو سرکوب کرنے والا عامل ہے۔ روزہ، نفس کی اصلاح، اسکی تربیت اور نفسانی خواہشات اور حیوانی غرائز کے کنٹرول میں بنیادی کردار کا حامل ہے۔

ماہِ مبارک رمضان نزدیک آنے پر مردِ مسلمان اس الٰہی فریضے کی انجام دہی اور خدائی ضیافت سے استفادے کیلئے خود کو آمادہ کرتا ہے اور سب ہی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس پُرفیض اور انتہائی بابرکت مہینے سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوں۔

ماہِ رمضان کی برکتوں بالخصوص روزے کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے ہم آیاتِ قرانی اور احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں، روزے کے وجوب کے فلسفے اور حکمت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ ذیل میں ہم چار پہلوؤں سے روزے کے وجوب کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ معنوی اور روحانی پہلو

آیات و روایات کے مطابق، روزے کے فلسفے کا معنوی، روحانی اور اخلاقی پہلو دو رخ اور دو ابعاد سے قابل بحث و تحقیق ہے۔

الف : تقویٰ کے رخ سے

اسلام میں تقویٰ، بنیادی اخلاقی قدر ہے اور اسے اسلامی احکام وضع کرنے کا مقصد قرار

دیا گیا ہے۔ بعض عبادات، بلکہ بنیادی طور پر بذات خود عبادت کا مقصد، یہ ہے کہ انسان عبادی اعمال کی انجام دہی کے ذریعے متقی بنیں۔

خداوندِ عالم، قرآنِ مجید میں فرماتا ہے کہ: یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کردیئے گئے ہیں، جس طرح تمہارے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ۔ سورۂ بقرہ ۲ - آیت ۱۸۳)

یہ آیۂ شریفہ، اس انسان ساز عبادت کا فلسفہ، ایک مختصر لیکن انتہائی پُر معنی جملے "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" (شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ) میں بیان کرتی ہے۔

روزہ، انسانی زندگی کے تمام میدانوں اور تمام پہلوؤں میں، تقویٰ اور پرہیز گاری کی روح کی پرورش کا ایک موثر عامل ہے۔

روزہ، مختلف رخ اور جہات رکھتا ہے، جن میں سے سب سے اہم ترین اسکا معنوی، اخلاقی اور تربیتی پہلو ہے۔ روزہ انسان کی روح اور ارادے کو قوی کرتا ہے اور اسکی نفسانی خواہشات کو متوازن بناتا ہے۔

روزہ دار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ روزے کی حالت میں کھانے پینے اور اسی طرح جنسی لذت سے پرہیز کرے اور عملاً یہ بات ثابت کرے کہ وہ حیوان نہیں ہے جو اپنی خواہشات کی تسکین کیلئے اِدھر اُدھر منہ مارتا پھرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے سرکش نفس کو لگام دے سکتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پا سکتا ہے۔ درحقیقت روزے کا سب سے بڑا مقصد، اسکا یہی روحانی اور معنوی اثر ہے۔

ایسے انسان جو طرح طرح کی لذیذ غذاؤں اور ٹھنڈے میٹھے مشروبات تک دسترس رکھتے ہیں، اور جوں ہی انہیں بھوک یا پیاس محسوس ہوتی ہے، بے دریغ ان اشیا سے استفادہ کرتے ہیں، وہ نہروں کے کنارے اگنے والے درختوں کی طرح ہیں۔ ناز ونعم میں پرورش

پانے والے یہ درخت ذرا سی سختی پر پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں صرف چند دن پانی نہ ملے تو مرجھا کر خشک ہو جاتے ہیں۔ لیکن صحراؤں' سنگلاخ پہاڑوں اور خشک میدانی علاقوں میں اگنے والے درخت جو ابتدا ہی سے جلتے سورج' تیز وتند ہواؤں اور سخت سردیوں کا سامنے کرتے ہیں اور طرح طرح کی محرومیوں کے ساتھ نشو ونما پاتے ہیں' وہ مضبوط' سخت جان اور دیر تک قائم رہنے والے ہوتے ہیں۔

روزہ بھی انسان کی روح کے ساتھ یہی عمل انجام دیتا ہے۔ اور وقتی اور عارضی پابندیوں کے ذریعے اسے سخت کوش اور مضبوط قوتِ ارادی کا مالک بناتا ہے اور اسے مشکلات کے خلاف مقابلے کی طاقت فراہم کرتا ہے اور سرکش خواہشاتِ نفسانی کو کنٹرول کر کے انسانی قلب کو نور اور پاکیزگی بخشتا ہے۔

روزہ' ایک انتہائی اہم اور نہایت با اہمیت عبادت ہے۔ اگر مخصوص آداب وشرائط کے ساتھ' اور جس طرح اللہ رب العزت چاہتا ہے اُس طرح انجام پائے تو تعمیر کردار اور تزکیہ و تہذیبِ نفس کے سلسلے میں بہت زیادہ تاثیر کا حامل ہے۔

روزہ' انسانی نفس کو گناہوں اور اخلاقِ بد سے پاک کرنے اور اسے معنوی وانسانی ارتقا اور نشو ونما کے لئے آمادہ کرنے کے سلسلے میں بنیادی کردار کا حامل ہے۔

روزہ رکھنے والا انسان گناہوں کو ترک کرنے کے ذریعے' نفس امارہ کو لگام دے کر' اسے کنٹرول کر کے' اپنے اختیار میں لیتا ہے۔

روزہ داری کے ایام' گناہوں کو ترک کرنے اور ریاضتِ نفس کا زمانہ ہیں' جہاد بالنفس اور پرہیز گاری کی مشق کا دور ہیں۔ اس زمانے میں انسان اپنے نفس کو گناہوں اور غلاظتوں سے پاک کرنے کے علاوہ جائز لذتوں' جیسے کھانے پینے سے بھی اجتناب برتتا ہے اور اس عمل کے ذریعے اپنے نفس کو جلا اور نورانیت بخشتا ہے۔ کیونکہ بھوک باطن کی جلا اور خدا کی جانب توجہ کا باعث ہوتی ہے۔ انسان اکثر بھوک کے عالم میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے'

جبکہ پیٹ بھرا ہونے کی صورت میں' وہ اس کیفیت سے عاری ہوتا ہے۔

اسلام نے پُرخوری کی مذمت کی ہے اور انسان کو کم خوری کی تاکید کی ہے۔ کیونکہ انسان شکم سیری کی حالت میں دعا و مناجات کی لذت نہیں اٹھا پاتا۔ جبکہ بھوک کی حالت میں عبادات و مناجات میں زیادہ لذت محسوس کرتا ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لاتشبعوا فیطفی نور المعرفة من قلوبکم."

"پُرخوری نہ کرو' کیونکہ اس سے تمہارے قلب میں معرفت کا نور بجھ جاتا ہے۔" (مستدرک الوسائل۔ج ۳۔ص ۸۱)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"نعم العون علی اسر النفس و کسر عادتها التجوع."

"بھوک' نفس کی بہترین مددگار اور اسکی عادتوں کا خاتمہ کرتی ہے۔"

(حوالہ سابق)

حضرت علی علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ: خداوندِ عالم نے شبِ معراج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا: **یا احمد! لو ذقت حلاوة الجوع' والصمت' والخلوة' وماورثوا منها. قال: یارب! ما میراث الجوع؟ قال: الحکمة' وحفظ القلب' والتقرب التی' والحزن الدائم' وخفّة بین الناس' و قول الحق' ولا یبالی عاش بیسر او بعسر.** (اے احمد! کاش آپ بھوک' خاموشی' تنہائی اور ان کے آثار کی مٹھاس کو چکھتے۔ رسول اللہؐ نے عرض کیا: بارِ الٰہا! بھوک کا فائدہ کیا ہے؟ فرمایا: حکمت' قلب کی حفاظت' میرا تقرب' دائمی حزن' کم خرچی' حق گوئی اور سختی میں ہو یا آسانی میں بیباکی۔ مستدرک الوسائل۔ج ۳۔ص ۸۲)

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ آیۂ شریفہ "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ" (سورۂ بقرہ ۲۔آیت ۱۸۳) کی

تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اسلام کی تعلیماتِ عالیہ اور اسکے بیاناتِ وافیہ سے پتا چلتا ہے کہ پاک پروردگار کی ذات اس بات سے منزہ ہے کہ اسے کسی چیز کی احتیاج و نیاز ہو۔ اور وہ ہر قسم کے نقص اور کمی سے مبرا ہے۔ پس عبادات کا فائدہ صرف اور صرف بندے کو ہوتا ہے، خدا کو نہیں، اور گناہوں کا بھی یہی حال ہے۔ خداوندِ عالم قرآنِ مجید میں فرماتا ہے: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَ نْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (اب تم نیک عمل کرو گے، تو اپنے لئے اور بُرا کرو گے، تو اپنے لئے۔ سورہَ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۷) پس اطاعت یا معصیت کے اثرات خود انسان پر عائد ہوتے ہیں جو صرف اور صرف نیاز اور تہید ستی کی خصوصیت کا حامل ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَالْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ (اے انسانو! تم سب بارگاہِ الٰہی کے فقیر ہو، اور اللہ صاحبِ دولت اور قابلِ حمد وثنا ہے۔ سورہَ فاطر ۳۵- آیت ۱۵)

روزے کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ''، یعنی یہ حکم اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ تم پرہیز گار بن جاؤ، اس لئے نہیں کہ پروردگار کو تمہارے روزے کی ضرورت ہے۔

البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ روزے کے ذریعے حصولِ تقویٰ کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ انسان فطرتاً یہ بات محسوس کرتا ہے کہ اگر کوئی عالمِ طہارت اور قدس سے تعلق پیدا کرنا چاہے اور کمال و روحانیت کے مرتبے پر پہنچنے کا خواہشمند ہو اور چاہتا ہو کہ معنوی ارتقا کے درجات طے کرے۔ تو اس کے لئے سب سے پہلے جو چیز ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ وہ بے لگامی اور خواہشاتِ نفسانی سے پرہیز کرے، سرکش نفس کو کنٹرول کرے اور اسے بے لگام ہو کر جہاں دل

چاہے منہ مارنے کی اجازت نہ دے' مادی زندگی کے مظاہر میں ڈوب جانے اور انہی سے دل لگانے سے خود کو پاک رکھے۔

مختصر یہ کہ جو چیز اسکے اور خدا کے درمیان رکاوٹ ہو' اس سے دور رہے۔ اور یہ تقویٰ شہوتوں پر قابو پانے اور نفسانی خواہشات سے دور رہنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اور جو چیز عام لوگوں کے حال سے مناسب ہے' وہ یہ ہے کہ جن امور کی تمام ہی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے' جیسے کھانا پینا اور جائز شہوات کی جانب میلان' تو ان پر کنٹرول سے کام لیں' تاکہ اس مشق کے ذریعے انہیں قوتِ ارادی حاصل ہو' اور ناجائز نفسانی خواہشات سے بھی دور رہ سکیں اور تقربِ الٰہی کی سمت بڑھیں۔ کیونکہ جو شخص جائز اور مباح امور (کو چھوڑنے کے سلسلے) میں خدا کی بات مانتا ہے وہ ناجائز اور حرام امور (کو چھوڑنے کے سلسلے) میں اسکی بہتر اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرے گا۔''

(تفسیر المیزان۔ ج۳۔ ص۹)

ایسا شخص جو ماہِ رمضان میں روزے رکھے' اور اس ایک مہینے میں ارتکابِ گناہ اور برے اخلاق و کردار سے اجتناب کرے' وہ ماہِ مبارکِ رمضان کے بعد بھی ترکِ گناہ اور اخلاقِ بد سے پرہیز کی اس حالت کو باقی رکھ سکتا ہے۔

روزہ' ایک ایسی عبادت ہے جس میں جائز لذتوں کو چھوڑنے اور گناہوں سے دوری کی باعث' روزہ دار شخص کا دل پاک ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا کسی اور کے ذکر اور فکر سے آزاد رہتا ہے۔

روزے کا اہم ترین فلسفہ تقویٰ کا حصول ہے۔ اخلاقی خوبیوں اور انسانی خصلتوں کا حصول' خدا کی طرف سے واجب کئے گئے اس حکم کا لازمہ ہے۔ کیونکہ (روزے کے عبادت ہونے سے قطع نظر) بھوک انسان کو ان میلانات اور کششوں سے باز رکھتی ہے جو اسے سرکشی

اور گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اسکے اندر انسانی خُلق وخُو کو زندہ کرتی ہے۔ لہٰذا تقویٰ اپنی اصلاح کرنے والے انسان کی بلند ترین خصوصیت ہے۔

تقویٰ کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"فَاِنَّ تَقْوَىٰ اللهِ دَوَاُ دَاءِ قُلُوبِكُمْ، وَ بَصَرُ عَمَىٰ اَفْئِدَتِكُمْ، وَشِفَاءَ مَرَضَااَ اَجْسَادِكُمْ .وَ صَلَاحُ فَسَادِ صُدُورِكُمْ، وَطُهُورُدَنَسِ اَنْفُسِكُمْ، وَ جِلَاءُ غَشَاءِ اَبْصَارِكُمْ، وَاَمْنُ فَزَعِ جَاشِكُمْ، وَ ضِيَاءُ سَوَادِ ظُلْمَتِكُمْ."

"بے شک تقویٰ تمہارے قلوب کی بیماری کی شفا بخش دوا، فکر وشعور کی تاریکیوں کے لئے اجالا، جسموں کی بیماریوں کے لئے شفا، سینے کی تباہ کاریوں کے لئے اصلاح، نفس کی کثافتوں کے لئے پاکیزگی، آنکھوں کی تیرگی کے لئے نور، دل کی دہشت کے لئے ڈھارس اور جہالت کے اندھیروں کے لئے روشنی ہے۔" (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۶)

ب : بندوں کے خلوص کا امتحان

اخلاص کا شمار، معنوی ارتقا وکمال کے اعلیٰ ترین مراحل میں ہوتا ہے۔ اخلاص کے اثر سے قلب نورِ الٰہی کی ضیا پاشیوں کا مرکز بن جاتا ہے اور حکمت و دانش، دل سے نکل کر زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: فَرَضَ اللهُ......وَ الصِّيَامَ اَبْتِلاءً لِا خْلَاصِ اَلْخَلْقِ (اللہ نے روزہ واجب کیا ہے، تاکہ اسکے ذریعے لوگوں کا اخلاص آزمائے۔ نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۲۵۲)

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے معروف خطبۂ فدک میں ہے کہ:.... فرض الله

الصیام تثبیتاً للاخلاص (خداوندِ عالم نے اخلاص کے ثبوت کیلئے روزہ واجب کیا ہے۔ بحارالانوار۔ج۹۳۔ص۳۶۸)

ان روایات سے' روزے اور اخلاص کے درمیان پائے جانے والے ایک خاص تعلق کا پتا چلتا ہے۔ بندوں کا اخلاص جانچنے کی خاطر روزہ واجب کرنا' اخلاص کی اہمیت کی بھی علامت ہے۔

ایسا انسان جو نفسانی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے اور ایک ماہ کے عرصے پر محیط ایک خاص زمانے میں' اپنے آپ کو فقہی اور اخلاقی احکامات ملحوظ رکھنے کا پابند بناتا ہے' اگر اسکے اعمال اخلاص کے ساتھ نہ ہوں تو وہ کسی خاص معنوی قدر و قیمت کے حامل نہیں ہوں گے۔

لہٰذا ایک ایسا انسان جو روزے کی سختیاں اور مشکلات برداشت کرتا ہے' اسے اخلاص کا مالک ہونا چاہئے۔ یعنی اسکے اعمال صرف اور صرف خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہونے چاہئیں۔

احادیث میں ملتا ہے کہ اس عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں جس میں اخلاص نہ ہو۔ حتیٰ روزہ بھی جو اس قدر اہمیت اور فضیلت رکھتا ہے کہ خدا کو مطلوب ہے اور اسکے بارے میں خود خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ: الصوم لی و انا اجزی بہ (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی پاداش دیتا ہوں۔ وسائل الشیعہ۔ج۷۔ص۲۹۲)

وہی عبادت درگاہِ خداوندی میں قبولیت کا شرف پاتی ہے اور قرب و کمال کا سبب بنتی ہے جو ہر قسم کے دکھاوے' خود پسندی اور خود نمائی سے پاک ہو اور جسے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے انجام دیا گیا ہو۔

اخلاص' عمل کی قدر و قیمت اور قبولیت کا پیمانہ ہے۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا' اُسی قدر عمل بھی مکمل ہوگا۔

درحقیقت تقویٰ کے حصول کی شرط ''اخلاص'' ہے۔ اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ

روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اگر کوئی شخص ماہِ رمضان کی عبادتوں کو اخلاص کے ساتھ انجام دے' تو اس نے خداوندِ عالم کا حقیقی مہمان بن کر قربِ الٰہی کے مقام اور معنوی و اخلاقی مقامات حاصل کر لئے ہیں۔

۲۔ روزے کا اُخروی پہلو (قیامت کی یاددہانی)

روزے کے واجب کئے جانے کا دوسرا قابلِ بحث و گفتگو پہلو' اسکا اُخروی پہلو ہے۔ جو دراصل قیامت کے دن کی یاد دلانا ہے۔ یعنی جو انسان روزہ رکھ کر بھوک اور پیاس کی سختیاں برداشت کرتا ہے' اسے روزِ قیامت کی بھوک اور پیاس کا خیال آتا ہے۔ قیامت کے دن کی سختیوں کی جانب اس کا یوں متوجہ ہونا' اسکے کردار اور عمل پر قابلِ لحاظ اثر مرتب کرتا ہے۔

اگر انسان اپنے اعمال و کردار کی جانب متوجہ رہے' خود کو وعظ و نصیحت کرتا رہے اور ہمیشہ یہ خیال اسکے دل میں رہے کہ اسے ایک دن اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے' اسکی ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکوت کا حساب دینا ہے' تو اسکا یہ احساس اسکے مزاج اور اخلاق پر نہایت مثبت اثرات مرتب کرے گا۔ جس کے نتیجے میں وہ بارگاہِ الٰہی سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کا حقدار بن جائے گا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''فان قال: فلم امروا بالصوم؟ قیل لکی یعرفوا الم الجوع' والعطش' فیستدلوا علی فقر الاٰخرة' ولیکون الصائم خاشعًا ذلیلاً مستکینًا ماجورًا محتسبًا' عارفًا صابرًا لما اصابه من الجوع والعطش ' فیستوجب الثواب. مع ما فیه من الانکسار عن الشهوات 'و لیکون ذٰلک واعظًا لهم فی العاجل' ورائضًا لهم علی اداء ما کلّفهم و دلیلاً لهم فی الاٰجل 'ولیعرفوا شدّة

مبلغ ذٰلک علی اھل الفقروا لمسکنۃ فی الدّنیا ' فیوذّوا الیھم ما افترض اللہ تعالیٰ لھم فی اموالھم. "

(بحارالانوار-ج۹۳-ص۳۶۹)

"اگر کوئی پوچھے کہ روزے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے: تاکہ انہیں معلوم ہو کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف کیا ہوتی ہے' اور اس ذریعے سے وہ آخرت کے فقر و فاقے کو محسوس کریں' نیز (اس کے ذریعے) ان میں خضوع وخشوع اور فروتنی پیدا ہو اور وہ اسکا اجر حاصل کریں' اور یہ سمجھیں کہ ان کا اجر خدا کے پاس ہے' انہیں خدا کی معرفت حاصل ہو' انہیں بھوک اور پیاس سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کریں' تاکہ ثواب کے مستحق قرار پائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ (روزے کے ذریعے) ان میں موجود خواہشاتِ نفسانی کمزور ہوں' (روزہ) دنیا میں ان کیلئے وعظ و نصیحت کا موجب ہو اور فریضے کی انجام دہی کے لئے ایک مشق ہو' اور آخرت میں ان کے لئے رہنما ہو اور انہیں معلوم ہو کہ دنیا میں فقرا و مساکین کس مشکل کا سامنا کرتے ہیں۔ خدا نے ان کے اموال میں فقرا و مساکین کا جو حق واجب کیا ہے وہ انہیں ادا کریں۔"

یہ حدیث جس میں امام رضا علیہ السلام نے روزے کے واجب ہونے کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں روزے کے اُخروی پہلو' یعنی روزِ قیامت کی بھوک اور پیاس کی یاد دہانی کے علاوہ فقرا اور مساکین کی مشکلات کی جانب توجہ کا بھی ذکر ہے۔ جس کا تعلق روزے کے اجتماعی پہلو سے ہے' جس پر آئندہ سطور میں ہم روشنی ڈالیں گے۔

ایک دوسرے مقام پر امام رضا علیہ السلام ہی نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"انما امروا بالصوم لکی یعرفوا الم الجوع والعطش فیستدلوا علی فقر الآخرۃ."

”لوگوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے‘ تا کہ وہ بھوک اور پیاس کو محسوس کریں‘ اور اس کے توسط سے آخرت کے فقر اور بے چارگی کو درک کریں۔“

(من لا یحضر الفقیہ ۔ج ۲۔ص ۴۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ شعبانیہ میں فرمایا ہے:

”وذكروا بجوعكم وعطشكم جوع يوم القيامة وعطشه .“

”اور روزے میں تمہاری بھوک اور پیاس کے ذریعے تمہیں قیامت کی بھوک اور پیاس یاد دلائے۔“ (بحار الانوار۔ج ۹۶۔ص ۳۵۶)

اس باب میں بیان ہونے والی روایات سے مجموعاً جو بات سامنے آتی ہے‘ وہ یہ ہے کہ انسان کو روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس برداشت کرا کے‘ اسے آخرت کی جانب متوجہ کیا جائے اور ایسا انسان جو روزے کی سختیاں اور مشکلات برداشت کرتا ہے‘ وہ اس موقع پر قیامت کے دن کے فقر اور مشکلات کی جانب متوجہ ہو۔

۳۔ اجتماعی پہلو‘ عدالتِ اجتماعی کے قیام کی جانب ایک قدم

روزے کا اجتماعی پہلو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ روزہ افرادِ معاشرہ کے درمیان مساوات اور برابری کا ایک درس ہے۔ روزہ رکھ کر صاحبِ حیثیت افراد بھی معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے بھوکے اور نادار افراد کی کیفیت محسوس کرتے ہیں‘ اور اپنی شبانہ روز کی خوراک میں کفایت شعاری کے ذریعے ان کی مدد کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

البتہ بھوکے اور نادار افراد کی حالت بیان کر کے بھی شکم سیر افراد کو ان کے حال کی جانب متوجہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ مسئلہ حسی اور عینی پہلو حاصل کر لے تو اسکا اثر بڑھ جاتا ہے۔ روزہ اس اہم سماجی مسئلے کو حسی رنگ دیتا ہے۔ لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک معروف روایت میں آیا ہے کہ جب آپؑ سے روزے کے وجوب کی وجہ دریافت کی گئی تو

آپؑ نے فرمایا:

"اما العلة فی الصیام لیستوی به الغنی والفقیر، و ذٰلک لانّ الغنیّ لم یکن لیجد مسّ الجوع، فیرحم الفقیر، لانّ الغنیّ کلّما اراد شیئا قدر علیه، فاراد اللّٰه عزّ و جلّ ان یستوی بین خلقه، و ان یذیق الغنیّ مسّ الجوع والالم، لیرقّ علی الضّعیف و یرحم الجائع."

"روزہ اس وجہ سے واجب کیا گیا ہے، تا کہ اسکے ذریعے امیر اور غریب برابر ہو جائیں۔ کیونکہ دولت مند افراد نے بھوک کا ذائقہ نہیں چکھا ہوتا کہ (جس کے زیرِ اثر) وہ غریبوں پر رحم کریں۔ کیونکہ دولت مندوں کے لئے ہر وہ چیز فراہم ہو جاتی ہے جو وہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا خدا نے چاہا کہ اپنے بندوں کے درمیان مساوات پیدا کرے، اور صاحبانِ مال و دولت کو بھی بھوک اور اس کے درد و رنج کا ذائقہ چکھائے، تا کہ وہ کمزور و لاچار افراد پر مہربانی اور بھوکوں پر رحم کریں۔" (بحارالانوار۔ ج ۹۶۔ ص ۳۷۱)

حمزہ بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں تحریر کیا کہ: خداوندِ عزوجل نے روزہ کیوں فرض کیا ہے؟ اس کے جواب میں امامؑ نے مجھے تحریر کیا کہ: **لیجد الغنیّ مسّ الجوع فیمنّ علی الفقیر** (تا کہ صاحبانِ دولت بھوک کا مزہ چکھیں اور فقیر پر احسان کریں۔ بحارالانوار۔ ج ۹۶۔ ۳۶۹)

ان روایات کے مجموعی مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ روزے کے وجوب کی وجوہ میں سے ایک وجہ، عدالتِ اجتماعی کے قیام کے سلسلے میں اقدام ہے۔ تا کہ دولت مند اور صاحبِ حیثیت افراد روزے کے ذریعے محروم اور مفلس افراد کی بھوک، غربت اور بے چارگی کا درد محسوس کریں اور فقرا اور مساکین کی مدد کریں۔

معاشرے میں بھوکے، غریب اور محتاج افراد ایک کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، جبکہ دولت منداور صاحبِ ثروت افراد کی بھی کمی نہیں، کتنا اچھا ہو کہ دولت مند افراد، ماہِ مبارک رمضان میں محروم اور فقیر افراد کی فکر کریں، اور معاشرے میں عدلِ اجتماعی کے قیام کے لئے ایک قدم اٹھائیں اور حتیٰ الامکان ان لوگوں کی مدد کریں۔

ذرا بتایئے اگر دولت مند ممالک کے لوگ، سال کے صرف چند دن روزہ رکھ لیں اور بھوک کا مزہ چکھیں تو کیا پھر بھی دنیا میں بھوک وافلاس باقی رہ سکتا ہے؟

۴۔ جسمانی پہلو، جسم کی صحت وسلامتی

آج اور اسی طرح قدیم طب میں بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں ''امساک'' کا معجز آسا اثر ثابت شدہ ہے۔ بہت سی بیماریوں کی اصل وجہ حد سے زیادہ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ کیونکہ جسم کا حصہ نہ بننے والا اضافی غذائی مواد، بدن کے مختلف حصوں میں مزاحم چربی کی صورت میں، یا خون میں اضافی شوگر، یا کولیسٹرول کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ یہ اضافی مواد، بدن کے مختلف حصوں میں دراصل مختلف جراثیم اور متعدی بیماریوں کی نشو ونما کے لئے بدبودار کیچڑ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ ان بیماریوں سے مقابلے کا بہترین راستہ، امساک (Control) اور روزے کے ذریعے اس کیچڑ کو بدن سے ختم کرنا ہے۔

روزہ اس کوڑے، اور بدن میں جذب نہ ہونے والے اضافی مواد کو جلا کر در حقیقت بدن کو جھاڑ پونچھ دیتا ہے۔

روزہ، نظامِ ہضم کے لئے ایک طرح کا آرام (Rest) اور اسکی سروس اور مرمت کا موثر عامل ہے۔ کیونکہ یہ نظام سال بھر مستقل مصروفِ کار رہتا ہے لہٰذا اس کیلئے یہ آرام ضروری ہے۔

اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ اسلام، روزہ دار انسان کو سحر اور افطار میں حد

سے زیادہ کھانے پینے سے گریز کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ جسمانی صحت وسلامتی کے سلسلے میں روزہ اپنا مکمل اثر دکھائے۔ بصورتِ دیگر ممکن ہے اسکا بالکل الٹا نتیجہ برآمد ہو۔

پیغمبر اسلام کی ایک معروف حدیث ہے: **صوموا تصحوا** (روزہ رکھو تاکہ تندرست رہو۔ بحار الانوار۔ ج ۹۶۔ ص ۲۵۵)

ایک دوسرے مقام پر پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: **المعدة بيت كل داء والحمية راس كل داء** (معدہ تمام بیماریوں کا گھر، اور امساک سب سے بہترین علاج ہے)

لہٰذا روزہ جسمانی صحت اور معدے کو آرام پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بالخصوص سال میں ایک مہینے کے روزے، ان لوگوں کی صحت وسلامتی کے لئے بہت مفید ہوتے ہیں، جو پُرخوری کے عادی ہوں۔

روم سے تعلق رکھنے والے ایک عالم کے مطابق: سب سے پہلی بیماری کا تعلق پُرخوری سے ہے اور پہلا علاج بھی کھانے پینے سے پرہیز ہے۔ اسی بات کو آج سے چودہ سو برس قبل، اسلام کے عظیم پیشوا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی سے الہام لیتے ہوئے، دنیائے انسانیت کے سامنے، ان الفاظ میں بیان کر دیا تھا کہ: **المعدة بيت كل داء و الحمية راس كل داء**.''

امریکہ سے تعلق رکھنے والا ''ڈاکٹر کارلو'' لکھتا ہے: بیمار شخص کو چاہئے کہ ہر سال کچھ عرصے کیلئے کھانے پینے سے پرہیز کرے، کیونکہ جب تک غذا جسم کو ملتی رہتی ہے، میکروب نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔ لیکن جب انسان کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے تو میکروب کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ وہ مزید کہتا ہے کہ: روزہ جسے اسلام نے واجب کیا ہے وہ جسم کی سلامتی کا سب سے بڑا ضامن ہے۔ (تفسیر نمونہ۔ ج ۱۔ ص ۶۳۲)

کتاب ''طب النبیؐ'' میں پیغمبر اسلامؐ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''لاتميتوا القلب بكثرة الطعام والشراب، فان القلب يموت

کالزرع اذا کثر علیه الماء.''

''اپنے دلوں کو زیادہ کھانے اور زیادہ پینے کے ذریعے نہ مارو' کیونکہ ایسے شخص کا دل (جس کا معدہ کھانے پینے کی اشیا سے بھرا ہوا ہو) مر جاتا ہے۔ اس کھیتی کی مانند' کہ جب اس میں حد سے زیادہ پانی آ جائے تو وہ برباد ہو جاتی ہے۔''

مذکورہ گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ شاید روزے کے وجوب کا ایک سبب جسمانی صحت وسلامتی ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا کہ روزے کا سب سے بڑا فلسفہ تقویٰ کا حصول' تہذیبِ نفس اور معنوی کمالات اور اخلاقی صفات سے آراستہ ہونا ہے۔ اور ان اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لئے چند مقدمات سے گزرنا لازم ہے جن میں سے ایک جسمانی صحت وسلامتی بھی ہے اور اسلام نے اس نکتے پر بھی توجہ دی ہے۔

ہماری مطبوعات

ہمارے ائمہؑ اور سیاسی جدوجہد	آیت اللہ سید علی خامنہ ای
چھ تقریریں ولایت کے موضوع پر	آیت اللہ سید علی خامنہ ای
روح توحید	آیت اللہ سید علی خامنہ ای
عبادت و نماز	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
توبہ کیا ہے کیسے قبول ہوتی ہے؟	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
اسلام اور عصرِ حاضر کی ضروریات	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
جہاد	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
معنوی آزادی	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
سیرتِ نبویؐ ایک مطالعہ	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
جاذبہ و دافعۂ علیؑ	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
خاتمیت	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
دنیائے جوان	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
فکر و نظر	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
فقہ زندگی	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
مہدیٔ منتظرؑ قیامِ عدل اور غلبۂ اسلام کی امید	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
حضرت علیؑ کی وصیت	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
امام حسینؑ نے کیوں قیام فرمایا؟	علامہ ابراہیم امینی، محمد باقر شریعتی سبزواری
حسین ابن علیؑ کا خطاب	محمد صادق نجمی
حسین ابن علیؑ مدینہ تا کربلا	محمد صادق نجمی
کلامِ امام حسینؑ کی چند کرنیں	حجت الاسلام محسن غرویان
نہج البلاغہ اور حیاتِ اجتماعی	شیخ حسن موسیٰ صفار
نوجوانوں کے لیے جاننے کی باتیں	رضا فرہادیان
ماہِ رمضان تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کا مہینہ	مجلسِ مصنفین
اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں	شیخ محمد حسن صلاح الدین
بہترین عشق	جواد محدثی
عباد الرحمٰن کے اوصاف	محمد محمدی اشتہاردی
کامیاب زندگی	عباس مدرّسی
ائمۂ اہلِ بیتؑ فکری و سیاسی زندگی	رسول جعفریان